

حضرت خالد بن ولید

رضی اللہ عنہ

PDFBOOKSFREE.PK

زید حامد



PDFBOOKSFREE.PK

زید حامد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

- نام تصنیف : یہ غازی (حضرت خالد بن ولیدؓ)
- مصنف : سید زید زمان حامد
- ناشر : براس ٹیکس، راولپنڈی
- تقلیب حروف : براس ٹیکس ٹیم
- مجلس ادارت : شہزاد مسعود رومی، سمیع اللہ بخاری، سفیان مسعود، سیدہ قدسیہ مشہدی، فاطمہ حسین
- کتابت و آرائش : وقار احمد صدیقی
- تاریخ اشاعت : فروری ۲۰۱۵ء
- قیمت : ۳۰۰ روپے



راولپنڈی، پاکستان

فون: +92-51-5598046-7

ویب سائٹ: www.zaidhamid.pk

ای میل: syedzaidzamanhamid@gmail.com

نوٹ: اس کتاب کو مصنف کی اجازت سے امت مسلمہ کی فلاح کیلئے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پیش لفظ

یہ غازی، یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

”یہ غازی“ کے اس کتابی سلسلے میں ہم آپ کو تاریخ اسلام کے عظیم غازیوں کا تعارف کروائیں گے۔ یہ وہ پر اسرار ہستیاں ہیں کہ جنہوں نے تاریخ کو بدل کر رکھ دیا، طوفانی دریاؤں کے رخ موڑ دیئے، اور جن کی ہیبت سے پہاڑ رائی ہو جایا کرتے تھے۔ یہ وہ غیر معمولی ہستیاں اور حیرت انگیز وجود ہیں کہ جو تاریخ اسلام میں چمکتے دھکتے ستاروں کی مانند ہیں۔ ان ہستیوں کے محیر العقول کارنامے دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان متحیر ہو کر یہ سوال کرتا ہے کہ آخر یہ غیر معمولی پر اسرار وجود تھے کون؟ ان کی ظاہری و باطنی قوتیں کیا تھیں کہ جن کی بدولت انہوں نے وہ کارنامے انجام دیئے کہ آج بھی انسانیت و رطہء حیرت میں ہے۔ اگر ہم عسکری نقطہ نظر سے دیکھیں تو انسانی عقل ماننے کو تیار نہیں ہوتی کہ عرب کے ریگزاروں سے نکلنے کے بعد انہوں نے تین سال کے مختصر ترین عرصے کے اندر اندر عراق اور شام یعنی فارسی اور رومی سلطنتوں کو شکست دے کر، یہ تمام علاقے سلطنت اسلامیہ میں شامل کر لیے۔ بعد میں آنے والے ادوار میں بھی یہ غازی پیدا ہوتے رہے اور جب جب امت کو ضرورت پڑی انہوں نے امت کی آبرو کی حفاظت کیلئے تلوار نکالی۔

اس تصنیف کی اشاعت کا مقصد ہماری نئی نسل، نوجوانوں اور بچوں کو، اپنی تاریخ کے عظیم ہیروز سے روشناس کروانا ہے، تاکہ وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ سکیں، خصوصاً دور جدید کا مسلم نوجوان جو کہ شناخت کے بحران میں مبتلا ہے، کہ جس کی بڑی وجہ پرنٹ اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے ہونیوالی مغربی یلغار ہے، کہ جو ہمارے نوجوانوں کے ہیروز کو بنانے میں کلیدی کردار ادا کر رہا ہے۔

موجودہ دور کہ جو مادہ پرستی سے عبارت ہے، میں یہ کتابی سلسلہ ضرب کلیم کا کام دے گا، ان شاء اللہ، کہ جو مادہ پرستی کے سحر کو توڑ ڈالے گا۔ اس سلسلے کا مقصد اس روحانی پہلو کو نمایاں کرنا ہے کہ جس کی بنیاد پر ان پراسرار ہستیوں نے وہ محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے کہ جنہیں سمجھنے سے انسانی عقل قاصر ہے۔ عالم اسلام میں اگر آج بھی کوئی وجود تبدیلی لانا چاہتا ہے، تو جب تک کہ اس کے وجود میں یہ پراسرار روحانی پہلو بیدار نہیں ہوگا، وہ ان کارناموں کو سرانجام دینے سے قاصر رہے گا کہ جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی منفرد شان ہے۔

یہ کتابچہ جناب زید حامد کے ٹی وی پر نشر ہونیوالے معروف سلسلے ”یہ غازی“ کی کتابی شکل ہے، کہ جس کو ہم مختلف کتابچوں کی شکل میں ایک سلسلے کے طور پر شائع کریں گے۔ موجودہ کتابچہ ”حضرت خالد بن ولید“ اسی کی ایک کڑی ہے۔

گو کہ اس سے پہلے بھی مسلم غازیوں پر بہت سی کتب شائع ہو چکی ہیں، تاہم یہ تصنیف اس اعتبار سے منفرد ہوگی کہ یہ انتہائی سادہ الفاظ اور پیراؤں میں اختصار کے ساتھ، واقعاتی طرز میں لکھی گئی ہے۔ نقشہ جات اور تصاویر اس تصنیف کو جہاں جامع بناتے ہیں، وہیں وہ اس کی کشش کا باعث بھی ثابت ہونگے، ان شاء اللہ۔

اللہ سبحان و تعالیٰ کی رضا کیلئے، امت رسول ﷺ کے عروج کی دعا کے ساتھ، ہم اس ہدیئے کو بارگاہ رسالت میں ادب اور عشق کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

بر اس ٹیکس

نوٹ: موجودہ تصنیف میں استعمال ہونیوالے نقشہ جات دارالاسلام پبلشرز کی شائع کردہ کتاب ”مئس فتوحات اسلامیہ“ سے لیے گئے ہیں۔

”کیا ہی بہترین غلام ہے اللہ کا، خالد بن ولیدؓ۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار کہ جو کفار کے خلاف ہمہ وقت بے نیام رہتی ہے۔“

(سیدی رسول اللہ ﷺ)

”عورتیں اب قیامت تک خالد بن ولیدؓ جیسا فرزند نہیں جنیں گی۔“

(سیدنا ابو بکر صدیقؓ)

”وہ جنگی امور کا گروہ ہے، اور موت کو دوست کی طرح عزیز رکھتا ہے۔ اس کی یلغار شیر کی اور صبر بلی کا سا ہے۔“

(حضرت عمرو بن العاصؓ)

”وہ نہ خود سوتے اور نہ دوسروں کو سونے دیتے، اور ان سے کچھ بھی چھپانہ رہتا۔“

(الطبری)

میں خالدؓ سے متعلق باتوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ ان سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں ہے۔ جنگ میں کوئی ان کا ثانی نہیں۔ جس کسی قوم نے، خواہ طاقتور یا کمزور، خالدؓ کا مقابلہ کیا، شکست کھائی۔ میری رائے مانو تو خالدؓ کے ساتھ معاملہ کرتے وقت اس کا انتخاب کرو۔

(دومۃ الجندل کا شہزادہ اکید)

”اگر اس فوج کا پرچم سیاہ ہے، اور اس کا سپہ سالار دراز قامت، مضبوط جسامت، کشادہ سینہ، لمبی داڑھی والا ہے، کہ جس کے چہرے پر چچک کے داغ ہیں، تو خبردار! اس فوج سے مت لڑنا۔“

(بازنطینی پادری)

”سب سے تند خواہ اور کامیاب عرب جنگجو۔“

(ایڈورڈ گکین)

میں غیرت مند جنگجو ہوں!

میں اللہ کی تلوار ہوں!

میں خالد بن ولید ہوں!!!

PDFBOOKSFREE.PK





”مجھے سخت افسوس ہے کہ میں ایک بوڑھے اونٹ کی طرح جان دے رہا ہوں۔ مجھے سخت شرمندگی ہے کہ میں میدان جنگ میں شہید نہیں ہو سکا اور اللہ قیامت تک کبھی کسی بزدل کو سکون اور اطمینان نہ دے۔“

یہ افسوس اس مجاہد کا ہے کہ جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے ”سیف اللہ“ کا لقب دیا۔ ان کے وجود کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا کہ جس پر تیر، تلوار، نیزے یا خنجر کے زخموں کے نشانات نہ ہوں۔ انہوں نے سو سے زائد گھمسان کی جنگوں میں حصہ لیا اور کبھی کسی جنگ میں شکست نہیں کھائی۔ ان کے نام سے ہی ایرانی اور رومی سلطنتوں پر دہشت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اپنی موت کے وقت میدان جنگ میں شہادت نہ پانے پر انہوں نے یہ کلمات افسوس کی حالت میں کہے۔ اس پر انکی زوجہ نے انکو تسلی دی کہ ”خالد! آپ شرمسار نہ ہوں۔ آپ کو جب اللہ کے رسول ﷺ نے ”سیف اللہ“ کا لقب دے دیا ہے تو اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اب یہ ”سیف اللہ“ یعنی اللہ کی تلوار میدان جنگ میں کسی کافر کے ہاتھوں نہیں کٹ سکتی، آپ کے نصیب میں شہادت نہیں تھی۔ اپنی اہلیہ کی طرف سے اس تسلی کے بعد اللہ کا یہ شیر ذرا پر سکون ہوا۔ خالد بن ولید صرف عالم اسلام کے ہی نہیں بلکہ تاریخ انسانیت کے ہیرو ہیں۔ انسانیت کی تاریخ میں ان سے بڑا فوجی حکمت عملی ساز اور فنون جنگ کا ماہر جرنیل اور غازی پیدا ہی نہیں ہوا۔

جب حضرت خالد بن ولید کے انتقال کی خبر شام سے مدینہ پہنچی، تو مدینہ میں کھرام مچ گیا۔ سیدنا عمرؓ پہلے تو لوگوں کو منع کرنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب معلوم ہوا کہ ”ابو سلیمان“ (خالد بن ولید کی کنیت) کی وفات کی خبر ہے، تو پھر وہ بھی خاموش ہو گئے۔ پھر اہل مدینہ سے کہا کہ آج جو آنکھ رونا چاہتی ہے، رو لے، جو زبان کچھ کہنا چاہتی ہے، وہ کہہ دے، کیونکہ وہ جو کچھ بھی کہیں گے، سچ ہی کہیں گے۔ لوگوں کو دوبارہ ابو سلیمان جیسے وجود پر رونے کا موقع نہیں ملے گا۔

اس سے قبل سیدنا ابو بکر صدیقؓ بھی حضرت خالد بن ولید کے بارے میں فرما چکے تھے کہ ”مائیں اب دوبارہ خالد جیسا بیٹا پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔“

سیدنا خالد قریش کے ایک قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور پیدائشی جنگجو تھے۔ ان کے قبیلے کا کام ہی جنگ کرنا تھا۔ ان کے والد ولید بن مغیرہ نے ان کو جنگی حکمت عملی، تیر اندازی، گھڑ سواری، نیزہ بازی، تلوار زنی، دشمن کی فوج پر کمین لگانا (چھپ کر وار کرنا)، تعاقب کرنا جیسے تمام حربی علوم سکھائے تھے۔ یہ عربوں میں عام رواج تھا۔ ہر عرب جنگجو، یہ سارے علوم سیکھتا، لیکن وہ کیا راز تھا کہ قریش کا ایک جنگجو اس قدر بابرکت ثابت ہوا کہ رسول ﷺ نے اس کو ”سیف اللہ“ کا لقب عطا فرمایا اور انہوں نے تین سال کے مختصر عرصے میں رومی اور



فارسی سلطنتوں کے پرچے اڑا دیئے۔ بے شک سیدنا خالدؓ کے بعد اس سے بہتر جنگی حکمت عملی تاریخ میں کوئی بھی نہ بنا سکا۔ آنے والی صدیوں میں ہر تہذیب کے سپہ سالار سیدنا خالد بن ولیدؓ کی جنگی حکمت عملی کا مطالعہ کرتے، اس پر عمل کرتے اور اس کے مطابق اپنی عسکری منصوبہ بندی کرتے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سیدنا خالدؓ ایک پیدائشی سپہ سالار تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے حیرت انگیز تاریخی کارناموں کے پیچھے سیدی رسول اللہ ﷺ کی دعا اور برکت شامل تھی۔ ایک مرتبہ جب حج کے موقع پر حضور ﷺ نے اپنے بال مبارک ترشوائے تو سیدنا خالد بن ولیدؓ نے وہ بال مبارک اٹھالیے۔ رسول ﷺ نے ان سے پوچھا: ”خالد یہ کس لیے؟“ تو انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول ﷺ! آپ کے بال مبارک میرے پاس رہیں گے، تو ان شاء اللہ، ان کی برکت سے میں ہر جنگ میں فتح پاؤں گا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! یہ بال تمہارے پاس رہیں گے، میری دعا بھی تمہارے ساتھ رہے گی اور ان شاء اللہ، تم ہر جنگ میں فتح پاؤ گے۔“

مسلمانوں کا میدان جنگ میں حضرت خالد بن ولیدؓ سے پہلا تعارف اس وقت ہوا کہ جب غزوہ احد میں خالد بن ولیدؓ کفار کی طرف سے لڑنے کے لیے میدان میں آئے۔ اس وقت آپ ایمان نہیں لائے تھے اور کفار کے اضافی گھڑسوار دستے (reserve cavalry battalion) کے سربراہ تھے۔ غزوہ احد میں حضور ﷺ نے ۵۰ تیر انداز ایک پہاڑی درے پر متعین فرمادیئے اور ان کو حکم دیا کہ جنگ کا جو مرضی نتیجہ نکلے، آپ کو اپنی جگہ نہیں چھوڑنی۔ یہ ۵۰ تیر انداز حضور ﷺ نے خالد کے گھڑسوار دستے کو دیکھ کر ہی متعین فرمائے تھے کہ جو پہاڑ کی ایک جانب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو کامیابی نصیب ہونے لگی اور دشمن پسپا ہونے لگے، تو مال غنیمت جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان ۵۰ تیر اندازوں میں سے اکثر نے حکم عدولی کی اور جنگ کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں پلٹا دیکھ کر، اپنا مورچہ چھوڑ دیا اور نیچے اتر آئے۔ خالد کی عقابانی نگاہوں نے یہ کمزوری تاڑ لی اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ کفار کی گھڑسوار فوج کو موقع مل گیا کہ مسلمانوں پر پشت سے حملہ کر سکیں۔ کفار کے اس حملے کے نتیجے میں، کہ جس کی قیادت خالد کر رہے تھے، ۷۰ صحابہ کرامؓ شہید ہوئے۔ یہ مسلمانوں کے لیے ایک بہت شدید چوٹ تھی۔

خالد بن ولیدؓ چونکہ بنیادی طور پر ایک جرنیل تھے، جنگی اور حربی حکمت عملی انکی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی۔ ان کی اس جوانی کا رروائی کے نتیجے میں مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا۔ حضور ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے۔ مسلمانوں کو احد کی پہاڑی کی طرف واپس جانا پڑا اور اسی افراتفری میں حضرت حمزہؓ بھی شہید ہو گئے۔ حضرت حمزہؓ، رسول ﷺ اور خالد بن ولیدؓ کے دستے کے درمیان ایک چٹان کی مانند کھڑے ہو گئے۔ یوں انہوں نے مسلمانوں اور حضور ﷺ کو موقع دیا کہ وہ محفوظ مقام یعنی احد کی پہاڑی پر چڑھ سکیں۔ مگر سیدنا حمزہؓ حضور ﷺ کو بچاتے ہوئے خود شہادت کے مرتبے پر فائز ہو گئے۔

خالد کے قبول اسلام سے قبل بھی حضور ﷺ ان کو بہت پسند کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ کے سامنے جناب خالد کی تعریف کی جاتی تھی تو حضور ﷺ فرمایا کرتے کہ یہ خصوصیات جس شخص میں ہوں گی، وہ ضرور اسلام قبول کرے گا۔ جس طرح آپ ﷺ نے سیدنا عمر بن خطابؓ کے بارے میں قبول اسلام کی دعا فرمائی تھی، اسی طرح خالد کے بارے میں بھی حضور ﷺ کی خواہش تھی کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ کیونکہ ان صلاحیتوں کے حامل مجاہد، جنگجو اور جانباز کی اسلام کو اشد ضرورت تھی۔ آخر یہی ہوا کہ ۸ ہجری میں فتح مکہ سے پہلے، حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ حضور ﷺ کے پاس تشریف لائے اور اسلام قبول کر لیا۔ تب حضور ﷺ نے بہت خوشی کے ساتھ فرمایا کہ اے لوگو! مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہارے دامن میں ڈال دیئے ہیں۔

قبول اسلام کے بعد سیدنا خالدؓ پر حضور ﷺ نے خاص نگاہ کرم فرمائی اور آپ کو ”سیف اللہ“ کا خطاب عطا فرمایا۔ یہ صرف ایک خطاب ہی نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ دنیا و مافیہا کی تمام روحانی و باطنی قوتیں بھی اس سپہ سالار کو عطا کر دی گئیں تھیں۔ خالد بن ولیدؓ نے حضور ﷺ سے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں، میں ان کی مغفرت طلب کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بشارت دی کہ تمہارے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔ اسکے بعد خالدؓ نے عہد کیا کہ اب ان کی تلوار حضور ﷺ کی ہم رکابی میں ہی بے نیام رہے گی اور وہ دین کی سر بلندی کے لیے ہی جہاد کریں گے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر انہوں نے سیف اللہ ہونے کا حق ادا کر دیا۔

جو معرکے حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضور ﷺ کے حکم اور اجازت سے لڑے، ان میں ایک جنگ موتہ بھی تھی۔ جنگ موتہ کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ جب حضرت زید بن حارثہؓ نے اس لشکر کی قیادت کی تو حضور ﷺ نے پہلے ہی بشارت دے دی تھی کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ علم سنبھال لیں اور اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہؓ اُن کی جگہ پر چم اٹھالیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں اپنا امیر منتخب کر لیں۔ اور پھر میدان جنگ میں اسی طرح ہوا۔ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد بالآخر سیدنا خالدؓ نے مسلمان فوج کی قیادت سنبھالی اور ایک انتہائی مشکل صورتحال میں ہونے کے باوجود فوج کو بحفاظت دشمن کے زرعے سے نکال لائے۔ جنگ موتہ میں ہی پہلی مرتبہ سیدنا خالد بن ولیدؓ اسلامی لشکر کے سپہ سالار کے طور پر ابھرے۔

فتح مکہ کے موقع پر کہ جب حضور ﷺ لشکر لے کر مکہ کی جانب روانہ ہوئے تو تمام صحابہؓ آپ کے ہمراہ تھے۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ کو بھی ایک لڑاکا دستہ دیا گیا تھا۔ جب مسلمان فوجیں نوا اطراف سے مکہ میں داخل ہوئیں، تو آٹھ اطراف سے تو کفار نے کوئی مزاحمت نہ کی، مگر سیدنا خالد بن ولیدؓ کے دستے کی کفار سے شدید جھڑپ ہوئی۔ اس مزاحمت میں کئی کافر مارے گئے۔ اسکے بعد آپؐ فاتحانہ شان سے زرہ پہنے، سر پر فولادی خود رکھے، تلوار تھامے، حضور ﷺ کے سامنے سے گزرے تو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ صحابہؓ نے تعارف کروایا کہ یہ خالد بن ولیدؓ ہیں۔



خالد بن ولیدؓ کی صلاحیتوں، جانبازی، دلیری، خود اعتمادی اور آزاد طبیعت کو حضور ﷺ بہت پسند فرماتے تھے۔ ان غلطیوں پر کہ جن پر کسی اور صحابی کی سخت سرزنش کی جاتی، سیدنا خالدؓ سے درگزر کر لیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ نے منع فرمایا تھا کہ کوئی جھڑپ نہ ہو، اس کے باوجود بھی سیدنا خالدؓ نے کفار سے جھڑپ کی، تو آپؐ سے اس بارے میں سوال کیا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! انہوں نے ہم پر حملہ کر کے ہمیں لڑنے پر مجبور کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے بات کو بہت پیار سے ٹال دیا کہ جو ہوا سو ہوا، اور سیدنا خالدؓ کی کوئی مزید سرزنش نہیں کی گئی۔ اسی طرح ایک موقع ایسا بھی آیا کہ جب سیدنا خالدؓ کی تلوار سے کچھ ایسے لوگ قتل ہو گئے کہ جن کے بارے میں شک تھا کہ وہ کافر ہیں یا مسلمان۔ جب اسکی اطلاع حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ کو بہت دکھ ہوا، لیکن پھر بھی سیدنا خالد بن ولیدؓ کو کچھ نہیں کہا گیا اور جو لوگ قتل ہوئے تھے، انکے ورثاء کو اسکی دیت یعنی خون بہا بھجوا دیا گیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کیساتھ معاملات کرتے وقت بہت احتیاط سے برتاؤ کرنا پڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اتنا آزاد، دلیر، شجاع ہو اور اپنی ایک منفرد رائے رکھتا ہو، پھر اسکو یہ اعتماد بھی ہو کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں، تو پھر وہ کسی اور کے قابو میں آنے والا نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ بھی ان سے بہت احتیاط سے برتاؤ کرتے تھے، اور اس دور میں بھی حضرت خالدؓ اپنی جنگی کارروائیوں میں بہت حد تک خود مختار تھے۔ سیدنا عمرؓ چونکہ انکے دوست، رشتہ دار اور ہم عمر بھی تھے، لہذا ان کے ساتھ عمرؓ کا بحث مباحثہ ہو جایا کرتا، مگر اس کے باوجود آپس میں ادب، پیار اور محبت بے انتہا تھی۔ فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ کے ہر غزوہ میں سیدنا خالدؓ آپ ﷺ کے ہم رکاب رہے۔

غزوہ حنین، کہ جسکا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے، کے موقع پر کہ جب مسلمان ایک کثیر تعداد کے ساتھ آگے بڑھے، تو ایک پہاڑی درے میں دشمن نے پہاڑوں کے پیچھے سے مسلمانوں پر تیروں کی بارش کردی اور مسلمانوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک موقع تو ایسا بھی آیا کہ حضور ﷺ چند صحابہؓ کے ساتھ بالکل تنہا رہ گئے تھے۔ تب آپ ﷺ نے مسلمانوں کو پکار کر اپنی طرف بلایا۔ اسکے بعد مسلمانوں نے از سر نو صف بندی کی اور دوبارہ دشمن پر شدید حملہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اس جنگ میں بھی خالد بن ولیدؓ بے جگری سے لڑے اور شدید زخمی ہوئے۔ حضور ﷺ بہت عرصے تک آپ کی عیادت فرماتے رہے اور آپ کے لیے دعا فرمائی۔

اسکے بعد غزوہ تبوک کی مہم میں بھی سیدنا خالدؓ نے شمولیت اختیار کی۔ اس غزوہ کا ذکر بھی قرآن پاک میں آیا ہے۔ تبوک کی مہم کے دوران ہی حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا دستہ تبوک سے دو متہ الجندل (شام کا ایک علاقہ) کی طرف روانہ کیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس دستے کے ساتھ بھیجا گیا۔ اس ساری مہم کی قیادت سیدنا خالدؓ کے پاس تھی۔

حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد خلافت راشدہ کے دور میں صحیح معنوں میں سیدنا خالدؓ کو اپنی تلوار کے جوہر دکھانے کا موقع ملا، اور آپؐ نے بہت خونریز جنگیں لڑیں۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے فتنہ ارتداد کو دبانے کے لیے آپؐ کو منتخب کیا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد



بہت سے قبائل ایسے تھے کہ جو مرتد ہو گئے تھے۔ بہت سے قبائل ایسے تھے کہ جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان تمام کی سرکوبی کے لیے جس سپہ سالار کا انتخاب کیا گیا، وہ سیدنا خالدؓ ہی تھے۔

مسلمہ کذاب نامی ایک شخص نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اس فتنے کو ختم کرنے کیلئے بھی سیدنا خالدؓ کو ہی منتخب کیا۔ موجودہ ریاض کے شہر کے نزدیک یمامہ کے مقام پر ایک خونریز جنگ کے بعد سیدنا خالدؓ نے مسلمہ کذاب کو جہنم رسید کیا۔ یہ جنگ اتنی شدید تھی کہ سات سو سے زائد صحابہ کرامؓ اس میں شہید ہوئے۔ اتنی بڑی تعداد میں قرآن کے حفاظ اس جنگ میں شہید ہوئے کہ اس کے بعد ہی قرآن کو تحریری شکل میں جمع کرنے کا حکم خلیفہ کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔

سیدنا خالدؓ نے انتہائی دلیری اور شجاعت کے ساتھ ان مہمات کو سر کیا۔ حضور ﷺ نے سیدنا خالدؓ پر جو نگاہ کرم فرمائی تھی، اور اس کے بعد جو کامیابیاں ان کو میدان جنگ میں حاصل ہوئیں تھیں، اس سے سیدنا خالدؓ کو اتنا اعتماد ہو گیا تھا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے آگے ٹھہر نہ سکتی تھی۔ ان کے یقین کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ جب انہوں نے ایران کے بادشاہ کو خط لکھا اور بہت اعتماد سے اسکو کہا کہ اسلام قبول کر لو یا سرنگوں ہو کر جزیہ دو، ورنہ تمہیں پتہ نہیں ہے کہ کیا چیز تمہارے پاس آنے والی ہے! اور کیا چیز تم سے ٹکرائے گی! جو لوگ میں تمہاری طرف لے کر آ رہا ہوں، وہ موت کو اتنا ہی عزیز رکھتے ہیں کہ جتنا تم اپنی زندگی کو۔

اسی طرح ایک بازنطینی سپہ سالار کہ جس نے خود کو ایک بہت بڑے اور مضبوط قلعے میں بند کر لیا تھا، کے نام خط میں آپؓ نے لکھا کہ اگر تم بادلوں میں بھی چھپ جاؤ تو اللہ ہمیں بادلوں میں پہنچا دے گا یا تمہیں ہماری سطح پر لے آئے گا، تاکہ ہم میدان جنگ میں تمہارا صفایا کر سکیں۔ یہ تھا ان کا غیر معمولی اعتماد!

میدان جنگ میں سیدنا خالد بن ولیدؓ کو ان کے نعرے سے پہچانا جاتا تھا۔ انکا جنگی نعرہ یہ تھا: ”میں غیرت مند جنگجو ہوں! میں اللہ کی تلوار ہوں! میں خالد بن ولیدؓ ہوں“۔ ان کا یہ اعتماد اور نام ہی دشمن پر دہشت طاری کر دیتا۔ ایک دفعہ ان کے پاس ایک رومی جاسوس قاصد کی شکل میں آیا اور ایک جھوٹا منصوبہ پیش کر کے آپکو پھنسانے کی کوشش کی۔ خالد بن ولیدؓ نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر صرف اتنا پوچھا کہ کیا تم سچ کہہ رہے ہو.....؟ اس شخص کی روح ہی فنا ہو گئی۔

جب مرتدین کی سرکوبی ہو گئی تو اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ ایران اور عراق کی طرف بھی گئی۔ آپؓ نے اس مہم کے لیے بھی سیدنا خالدؓ کو ہی منتخب کیا۔ مسلمانوں کو یہ بشارت حضور ﷺ کی طرف سے پہلے ہی مل چکی تھی کہ مسلمان ایرانی اور رومی سلطنتوں پر قبضہ کر لیں گے۔ آپؓ کو سراقہؓ والی حدیث یاد ہو گئی کہ جب حضور ﷺ، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مکے سے ہجرت کر کے مدینے کی جانب روانہ ہوئے، تو سراقہؓ نے گھوڑے پر ان کا تعاقب کیا تھا۔ اس وقت سراقہؓ کو حضور ﷺ نے بشارت دی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ کسریٰ کے



کنگن تمہارے ہاتھوں میں ہونگے۔ سیدنا ابو بکر صدیقؓ اس بات کے شاہد تھے۔ حضور ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کی تکمیل کا آغاز سیدنا خالدؓ کی اسی مہم کے نتیجے میں ہوا۔

.....

اس سے پہلے کہ ہم خالدؓ کی جنگی اور حربی حکمت عملی پر بات کریں، کچھ روشنی حضرت خالدؓ کی نفسیات پر بھی ڈالتے چلیں۔ حضرت خالدؓ کو جتنا اعتماد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی روحانی تائید پر تھا، اتنا تو انکو اپنی جنگی حکمت عملی پر بھی نہ تھا۔ حضرت خالدؓ نے حضور ﷺ کے کچھ بال مبارک اپنی ٹوپی میں سی لیے تھے اور وہ اپنے اہنی خود کے نیچے وہی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ جنگ یرموک میں ایک موقع پر وہ ٹوپی آپؐ کے سر سے گر گئی، تو آپؐ جنگ کے دوران لاشوں کے بیچ اس کو ڈھونڈتے رہے، مگر رومی فوج کے دباؤ کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کا ایک دستہ تیار کیا اور دوبارہ حملہ کر کے رومیوں کو پسپا کیا، اور اپنی ٹوپی دوبارہ حاصل کی۔ جنگ کے بعد لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ آپؐ نے ایک ٹوپی کی خاطر کئی مسلمانوں کی جانیں ضائع کروادیں، تو سیدنا خالدؓ نے فرمایا کہ یہ ٹوپی نہیں بلکہ میری طاقت کا سرچشمہ ہے، کیونکہ اس میں رسول ﷺ کے بال مبارک پروئے ہوئے ہیں۔

ایک اور واقعہ ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت خالدؓ کی ایرانی سپہ سالار سے بات چیت ہو رہی تھی۔ اس نے کہا کہ آپؐ ہم سے کیوں لڑتے ہیں، ہماری تلواروں میں تو ایسا زہر لگا ہوا ہے کہ جو جسم کو چھو بھی جائے تو اسے ہلا کر خراب کر دے گا۔ سیدنا خالدؓ نے وہ زہر کی شیشی لی اور بسم اللہ الذی لا یضر..... والی دعا پڑھ کر اسے پی گئے اور آپؐ کو کچھ بھی نہ ہوا، کیونکہ آپؐ کو کامل یقین تھا کہ جو کام اللہ نے آپؐ سے لینا ہے وہ ہر حال میں لیا جائے گا۔ اللہ کی تلوار کافروں کے ہاتھوں نہیں ٹوٹے گی۔ پھر آپؐ کے ساتھ رسول ﷺ کے بال مبارک کی برکت بھی تھی کہ جنہیں آپؐ ہر وقت اپنے وجود کے ساتھ جوڑ کر رکھتے تھے۔

ایک بار حضرت خالدؓ کو کسی معاملے میں تکلیف بھی اٹھانا پڑی۔ آپؐ نے اسکی دلیل بھی یہی دی کہ آج یہ تکلیف مجھے اس لیے ہوئی ہے کہ رسول ﷺ کے بال مبارک میرے سر پر نہیں ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو جنگی حکمت عملی اور منصوبہ بندی سیدنا خالدؓ کرتے تھے، اس میں پختگی اس یقین اور اعتماد کی وجہ سے ہی تھی کہ جو روحانی طور پر ان کو دیا گیا تھا۔ اس نکتے کو سمجھنا بہت اہم ہے۔ مادی دنیا سے متعلق حکمت عملی بنانے میں جب روحانی عوامل شامل ہو جاتے ہیں، تو وہ غیر معمولی قوتیں جنم لیتی ہیں کہ جو انسان کی عقل کو دنگ کر دیتی ہیں اور ایسے کارنامے سرانجام دیئے جاتے ہیں کہ جو انسانی طاقت سے باہر ہوتے ہیں۔ اسلامی تاریخ ایسے سینکڑوں واقعات سے بھری پڑی ہے۔

سیدنا خالد بن ولیدؓ جو جنگی حکمت عملی استعمال کرتے تھے، وہ بہت جارحانہ ہوتی تھی۔ وہ دشمن پر ہلکا ہاتھ رکھنے پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے۔ جب ان کی جھڑپ ہوتی، تو انتہائی خونریز ہوتی۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ یا تو بات چیت کے ذریعے معاملات طے



کر لیے جائیں اور اگر تلوار نکالنا ہی پڑ جائے تو پھر زمین دشمن کے خون سے اچھی طرح سرخ ہونی چاہیے۔

ایک دفعہ کہ جب جنگ میں دشمن نے دھوکے سے کچھ مسلمانوں کو ایک جگہ شہید کر دیا، تو اس موقع پر حضرت خالدؓ نے اللہ سے وعدہ کیا کہ جتنے بھی دشمن پکڑے جائیں گے، ان کو اسی جگہ لاکر قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ بعد میں دشمن کو دور دور سے گرفتار کر کے واپس اسی مقام پر لاکر قتل کیا گیا، کیونکہ آپؓ نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ دریا کو انکے خون سے سرخ کر دوں گا۔ اس جنگ میں سیدنا خالدؓ کی قیادت میں مسلمانوں نے ستر ہزار دشمنوں کو جہنم واصل کیا۔

جنگ سلاسل بھی بہت مشہور مہم ہے کہ جس میں ایرانیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں سے باندھ لیا تھا، تاکہ مسلمان فوج کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا جائے اور انہیں بھاگنے کا موقع نہ دیا جائے۔ لیکن بڑی بڑی سلطنتوں کی فوجوں میں سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ انکی نقل و حرکت بھی سست ہوتی۔ اس کے برعکس مسلمان فوج جس تیز رفتاری سے حرکت کرتی تھی، اسکی صرف ایک مثال دینا ہی کافی ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان کمانڈر نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو خط لکھا کہ میں دشمن کے ساتھ برسرِ پیکار ہوں، مجھے آپؓ کی مدد کی ضرورت ہے۔ آپؓ نے اسی قاصد کو خط دے کر بھیجا کہ جاؤ! اس سے کہو کہ میں تمہاری مدد کے لیے پہنچ رہا ہوں۔ وہ قاصد واپس پہنچا اور خط کھول کر پڑھا۔ جب سراٹھایا تو افق پر خالد بن ولیدؓ کی فوج نظر آرہی تھی۔ یعنی قاصد کے گھوڑے کی گرد بھی نہیں بیٹھی تھی کہ آپؓ مدد کیلئے پہنچ چکے تھے۔ اگر آپؓ خالدؓ کے دستے یا فوج کے سپاہی ہیں تو آرام آپؓ کیلئے نہیں ہے۔ آپؓ کسی گاؤں یا شہر پر حملہ کرنے کے لیے جاتے اور دشمن اپنی فوجیں اس طرف لے کر جاتا تو آپؓ رخ تبدیل کر کے اس شہر پر حملہ کر دیتے کہ جو خالی ہوتا۔ پھر دشمن کی فوج کے لیے یہ ممکن ہی نہ رہتا کہ اتنی تیزی سے حرکت کر سکے۔ آج کل بھی فوج کی تیز نقل و حرکت جنگ میں بہت فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ جب جنگ میں جاتے تو دشمن کو بالکل کچل کر رکھ دیتے۔ کسی دشمن کو اس قابل ہی نہ چھوڑتے کہ وہ دوسری فوج کیساتھ مل کر دوبارہ ان کے خلاف کوئی مزاحمت کر سکے۔ جاسوسی کا نظام ایسا تھا کہ پورے عراق میں دشمن کی کوئی بھی حرکت ہوتی، تو سیدنا خالدؓ کو اسکی اطلاع پیشگی پہنچ جاتی۔ رسد کا نظام ایسا تھا کہ پورے ملک میں جہاں بھی مسلمان فوج حرکت کرتی، وہاں رسد کی کوئی کمی نہ رہتی۔ حضرت خالدؓ کی طرف سے ہمیشہ ایسی جنگی حکمت عملی استعمال کی جاتی تھی کہ جس سے ایرانی ناواقف ہوتے۔ ایرانی صف در صف براہ راست فوجوں کے تصادم کے عادی تھے۔ جبکہ سیدنا خالدؓ چھاپہ مار کارروائیوں (guerrilla warfare)، پہاڑوں کے پیچھے سے کمین گاہ میں چھپ کر (ambush) دشمن کو حیران کر کے (tactical surprise) اور اسے تھکا کر (outmaneuver) اسکے ساتھ تصادم کرتے تھے۔ جہاں تک ظاہری جنگی حکمت عملی کا تعلق ہے تو وہ اتنی غیر معمولی تھی کہ سلطنت فارس نے اپنے اعلیٰ ترین جرنیل آپکے مقابلے کیلئے بھیجے، لیکن صرف چند ماہ کے عرصے میں ہی سیدنا خالدؓ نے پورا عراق فتح کر لیا۔



سیدنا خالد بن ولیدؓ کی طبیعت کی ایک خاص بات یہ تھی کہ آپؓ جان بوجھ کر خطرے مول لیتے تھے۔ دشمن سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی سپہ سالار اس قسم کے خطرات مول لے سکتا ہے۔ آپؓ اپنی جان پر کھیل کر ایسے کارنامے سرانجام دیتے تھے کہ دشمن ہکا بکارہ جاتا۔ آپؓ کی بے جگری اور بے خوفی مثال بن گئی تھی۔ لوگ خالد بن ولیدؓ کی مثالیں دیا کرتے تھے کہ اگر دلیری کی آخری حد دیکھنی ہے، تو ”سیف اللہ“ کو دیکھو۔

جنگ یرموک کے موقع پر کہ جب ساٹھ ہزار غسانی عیسائیوں کا لشکر مسلمانوں کیلئے درد سر بنا ہوا تھا، تو اس معاملے سے نمٹنے کیلئے جنگی شوریٰ کا اجلاس بیٹھا۔ اس میں سیدنا خالدؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ دشمن کو پریشان کرنے اور شکست دینے کے لیے میں تمیں مجاہدین کے ہمراہ براہ راست ان پر حملہ کروں گا۔ بظاہر یہ جنون لگے گا کہ ساٹھ ہزار کے لشکر کے لیے آپؓ میں مجاہدوں کے ساتھ حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، لیکن جنگی شوریٰ میں موجود دیگر سالاروں کا جواب اس سے بھی زیادہ حیران کن تھا۔ اس تجویز کے جواب میں پوری جنگی شوریٰ نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ خالدؓ کا فیصلہ دانشمندانہ نہیں ہے، لہذا تمیں کے بجائے ساٹھ مجاہدین بھیجنے چاہئیں! اسکے بعد تاریخ نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ خالدؓ ۵۹ دیگر مجاہدین کے ساتھ، ساٹھ ہزار کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور انہیں ناکوں چنے چبوا دیئے۔ بظاہر یہ ناممکنات میں سے تھا۔ جو کام دنیا کا کوئی جرنیل، کمانڈر، حربی ماہر و منصوبہ ساز اور جنگی تجربہ نگار سوچ بھی نہیں سکتا، خالدؓ اسکو عام طور پر کر گزرتے تھے۔

ایرانی سلطنت کی سرحدیں مغرب میں رومی سلطنت سے ملتی تھیں۔ جب دونوں طاقتوں کو مسلمانوں سے خطرہ محسوس ہوا تو انہوں نے اپنی فوجیں اکٹھی کر لیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ رومی اور ایرانی سلطنتیں ایک دوسرے کی اتحادی بن کر مسلمانوں کے مقابلے پر آئیں۔ اللہ کے فضل سے سیدنا خالدؓ ان دونوں سلطنتوں سے ٹکرائے اور ان کو شکست دی۔

سیدنا خالدؓ اس قدر آزاد طبیعت کے مالک تھے کہ سیدی رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور کے لیے ان کو سنبھالنا ممکن ہی نہ تھا۔ اس بات سے اندازہ کیجئے کہ ایک موقع پر عراق کی ایک جنگ میں فتح کے بعد جب آپؓ مرکز کی طرف لوٹ رہے تھے، توجج کا موقع آگیا۔ سیدنا خالدؓ نے جج کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں بہت خطرہ تھا، کیونکہ مسلمان فوجیں رومی اور ایرانی فوجوں سے عراق میں برسر پیکار تھیں، اور سپہ سالار کا ان سے دور ہونا خطرناک ہو سکتا تھا۔ سیدنا ابوبکرؓ اسوقت خلیفہ تھے اور سیدنا خالدؓ نے ان سے جج کی اجازت بھی نہیں لی تھی۔ لیکن خالدؓ خطرات مول لینے والے شخص تھے۔ انہوں نے پورے لشکر کو ”حیرہ“ کی طرف روانہ کیا اور بغیر کسی کو بتائے چند ساتھیوں کے ہمراہ انتہائی خاموشی اور سرعت سے مکہ پہنچ گئے اور جج ادا کیا۔ آپؓ نے اپنے تئیں بہت رازداری سے یہ جج ادا کیا اور مسلمان لشکر کو بھی پتا نہ چلا کہ خالدؓ چند روز کے لیے غائب ہیں۔ آپؓ خاموشی سے جج کیلئے گئے بھی اور واپس بھی لوٹ آئے، لیکن جب اپنے لشکر میں واپس پہنچے تو ایک قاصد خلیفہ کا خط لے کر آیا اور اس خط میں انہیں بڑے پیار سے ڈانٹا گیا تھا کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا! خالد بن ولیدؓ جیسے شاہینوں کو قابو کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ حضور ﷺ بھی آپؓ سے بہت درگزر فرماتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ

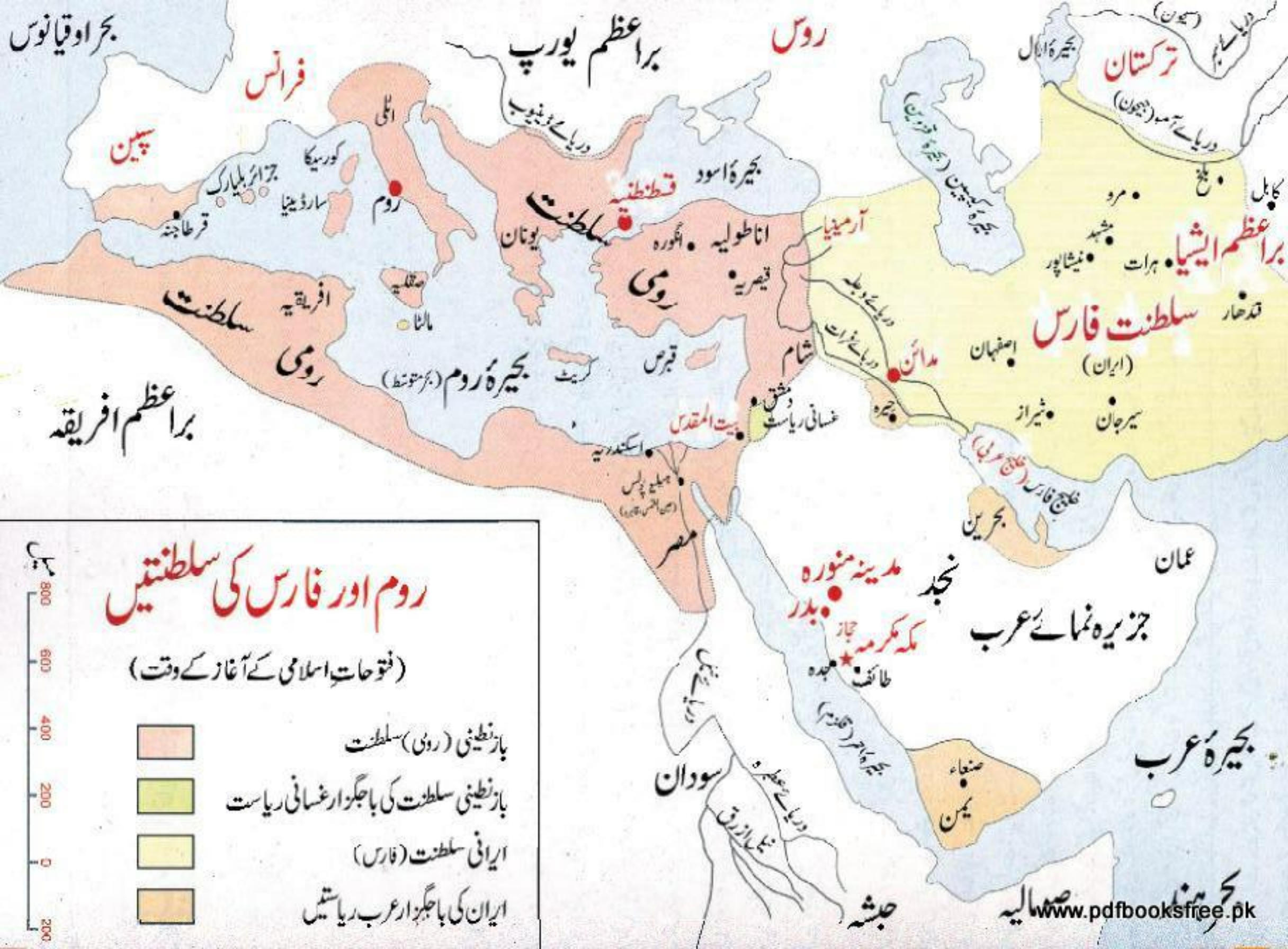
نہیں کہ سیدنا خالدؓ کو بہت جلال اور ہیبت عطا کی گئی تھی اور آپؓ سے امت رسول اللہ ﷺ کی ایک غیر معمولی ڈیوٹی لینا مقصود تھا۔

سیدنا خالدؓ اس طرح کے بہت سے کام کرتے تھے کہ جن پر لوگوں کو اعتراض ہوتا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہمیشہ لوگوں کی شکایات پر ان سے درگزر کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ سیدنا خالدؓ کو معزول کر دیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کا جواب یہی ہوتا کہ جس تلوار کو اللہ نے دین کی سر بلندی کیلئے بے نیام کیا ہے، میں اس کو واپس نیام میں نہیں ڈال سکتا۔ یہی فرق ہے ایک عام سپہ سالار اور ایک عظیم سپہ سالار میں۔ سیدنا خالدؓ ایک عظیم سپہ سالار تھے، اور اسی نسبت سے سیدی رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابو بکرؓ ان کا خاص لحاظ بھی کرتے۔

فتح عراق کی خوشخبری جب سیدنا ابو بکرؓ تک مدینے میں پہنچی، تو آپؓ نے مدینہ میں اعلان کروایا کہ ”مبارک ہو! تمہارے شیر نے ایرانی شیر کو زیر کر لیا۔ مائیں قیامت تک خالدؓ جیسا بیٹا پیدا نہیں کر سکتیں!“

یہ وہ وقت تھا کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے شام میں بھی مہم جوئی شروع کر دی تھی۔ مسلمان دستوں کو یہ حکم تھا کہ صرف جاسوسی کریں، زیادہ آگے تک نہ جائیں اور جہاں تک ممکن ہو تصادم سے گریز کریں۔ لیکن جب حضرت خالدؓ کے کارناموں کی خبر مسلمانوں کو پہنچی تو قدرتی طور پر شام میں مسلمان کمانڈروں میں بھی کوئی معرکہ سرانجام دینے کا ولولہ پیدا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے وہ دستے کہ جو شام گئے تھے، رومیوں کے گھیرے میں آ گئے۔ شام اس وقت بازنطینی سلطنت کا صوبہ تھا کہ جہاں مرکز قسطنطنیہ تھا۔ حضور ﷺ قسطنطنیہ کی فتح کی بشارت بھی دے چکے تھے۔ آپ ﷺ کے مطابق جو فوج اسکو فتح کرے گی وہ جنت میں جائے گی اور جو امیر اسکو فتح کرے گا وہ جنتی ہوگا! لہذا جس طرح مسلمانوں کو ایمان کی حد تک یقین تھا کہ وہ ایران پر قبضہ کریں گے، اسی طرح مسلمانوں کو یہ بھی یقین تھا کہ وہ بازنطینی سلطنت پر بھی قبضہ کر لیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے دونوں محاذوں پر بیک وقت لشکر روانہ کیے۔ خالدؓ اس وقت عراق میں تھے۔ وہ مسلمان کہ جو شام گئے تھے، دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے اور انہیں کمک کی ضرورت تھی۔ تب سیدنا ابو بکرؓ نے خط کے ذریعے سیدنا خالدؓ کو حکم دیا کہ عراق کا محاذ دوسرے صحابہؓ کے حوالے کریں اور شام میں محصور مجاہدین کی مدد کیلئے روانہ ہو جائیں۔ سیدنا خالدؓ کو جب یہ خط ملا تو انہوں نے پھر ایسا کام کیا کہ جو جنگی حکمت عملی کے تحت ناممکنات میں سے تھا۔ کوئی جنگی حکمت عملی کا ماہر یا سپہ سالار وہ کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

عراق سے شام جانے کے دو باقاعدہ راستے تھے۔ ایک راستے پر رومی قلعے بنے ہوئے تھے اور وہاں سے بغیر جنگ کے گزرنا ممکن نہ تھا۔ دوسرا راستہ بہت طویل تھا اور وہاں سے شام کے مجاہدین تک پہنچنے میں بہت زیادہ وقت لگ جاتا۔ ایک تیسرا راستہ ریگستان سے ہو کر جاتا، مگر یہ راستہ کوئی بھی استعمال نہ کرتا، کیونکہ یہ انتہائی خطرناک تھا۔ کوئی بھی فوج یا قافلہ اس راستے سے گزر نہ سکتا تھا، کیونکہ اس راستے میں پانی کا ملنا محال تھا۔ گرمی میں راستہ بھولنے کا اندیشہ بھی تھا اور بھٹک جانے کی صورت میں موت یقینی تھی۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ نے اسی خطرناک راستے سے گزرنے کا فیصلہ کر لیا، اور پھر وہ کام کیا کہ جو عرب کی تاریخ میں اس سے قبل کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ ایک بوڑھا



بحر اوقیانوس

فرانس

براعظم یورپ

روس

ترکستان

بحیرہ امال

دریائے آرمہ (ہیون)

کابل

بلخ

مرد

مشہد

نیشاپور

ہرات

براعظم ایشیا

قدحار

سلطنت فارس

(ایران)

اصفہان

مدائن

شام

دربائے دجلہ

دربائے فرات

دمشق

غسانی ریاست

بیت المقدس

اسکندریہ

مصر

مملکت پلس

مملکت قس

عمان

جزیرہ نمائے عرب

بحرین

خلیج فارس (خلیج عربی)

مدینہ منورہ

بدر

مکہ مکرمہ

حجاز

طائف

مکہ

بجیرہ

بجیرہ (عربی)

صنعا

یمن

بحیرہ عرب

سودان

دریائے عطبرہ

دریائے افریقہ

جشہ

صمالیہ

www.pdfbooksfree.pk



عرب کہ جو کئی برس پہلے اس راستے سے گزرا تھا، اسکو فوج کا رہنمایا گا نیڈ بنا کر پوری فوج لیکر اس ریگستان میں داخل ہو گئے۔ کئی روز کی شدید مسافت کے بعد کہ جس میں دھوپ کی شدت سے وہ بوڑھا عرب بھی ناپینا ہو چکا تھا، کہ جس کے باعث پوری مسلمان فوج کے تباہ ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا، آپ حیرت انگیز طور پر بالآخر شام جا پہنچے۔ خالد کو ایمان کی حد تک یقین تھا کہ یہ ریگستان انکا راستہ نہیں روک سکے گا۔ سیدنا خالدؓ کے پرچم پر عقاب بنا ہوا تھا۔ وہ شام میں جب داخل ہوئے تو جس وادی سے گزر کر گئے، وہاں اپنا پرچم نصب کر گئے۔ آج تک اس وادی کو ”ثنية العقاب“ کہا جاتا ہے، یعنی عقاب والی پہاڑیاں۔ سیدنا خالدؓ کے انتقال کے کئی سو سال بعد تک بھی وہ پرچم وہاں نصب رہا۔ عباسی خلیفہ معتمد جب اس علاقے سے گزرا تو کسی نے اس کو وہ جھنڈا دکھایا کہ جو قلعے پر لگا ہوا تھا۔ اسکو بتایا گیا کہ یہ وہ جھنڈا ہے کہ جو خالدؓ نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا، تو خلیفہ اسی جگہ پر اترا، اس جھنڈے کو بوسہ دیا اور اپنی تمام فوج کو حکم دیا کہ جو کوئی بھی اس علاقے سے گزرے، اس جھنڈے کے احترام میں با ادب پیدل گزرے۔ اسکے بعد جب مسلمانوں کا زوال ہوا، تو وہ جھنڈا بھی اپنی جگہ سے اکھڑ گیا۔ یہ خالد بن ولیدؓ کا وہ شاندار کارنامہ تھا کہ جو تاریخ اسلام کے اوراق میں صدیوں تک سنہرے حروف سے لکھا گیا۔

اس سے پہلے کہ ہم شام کی مہم پر بات کریں، اس ماحول اور ان واقعات پر بات کرنا بھی ضروری ہے کہ جس میں عالمی سطح پر یہ مہم اور خالد بن ولیدؓ کی فتوحات عمل پذیر ہو رہی تھیں۔ قرآن میں سورہ روم میں ”غلبت الروم“ کے حوالے سے جو آیات آئی ہیں، وہ فارسی اور رومی

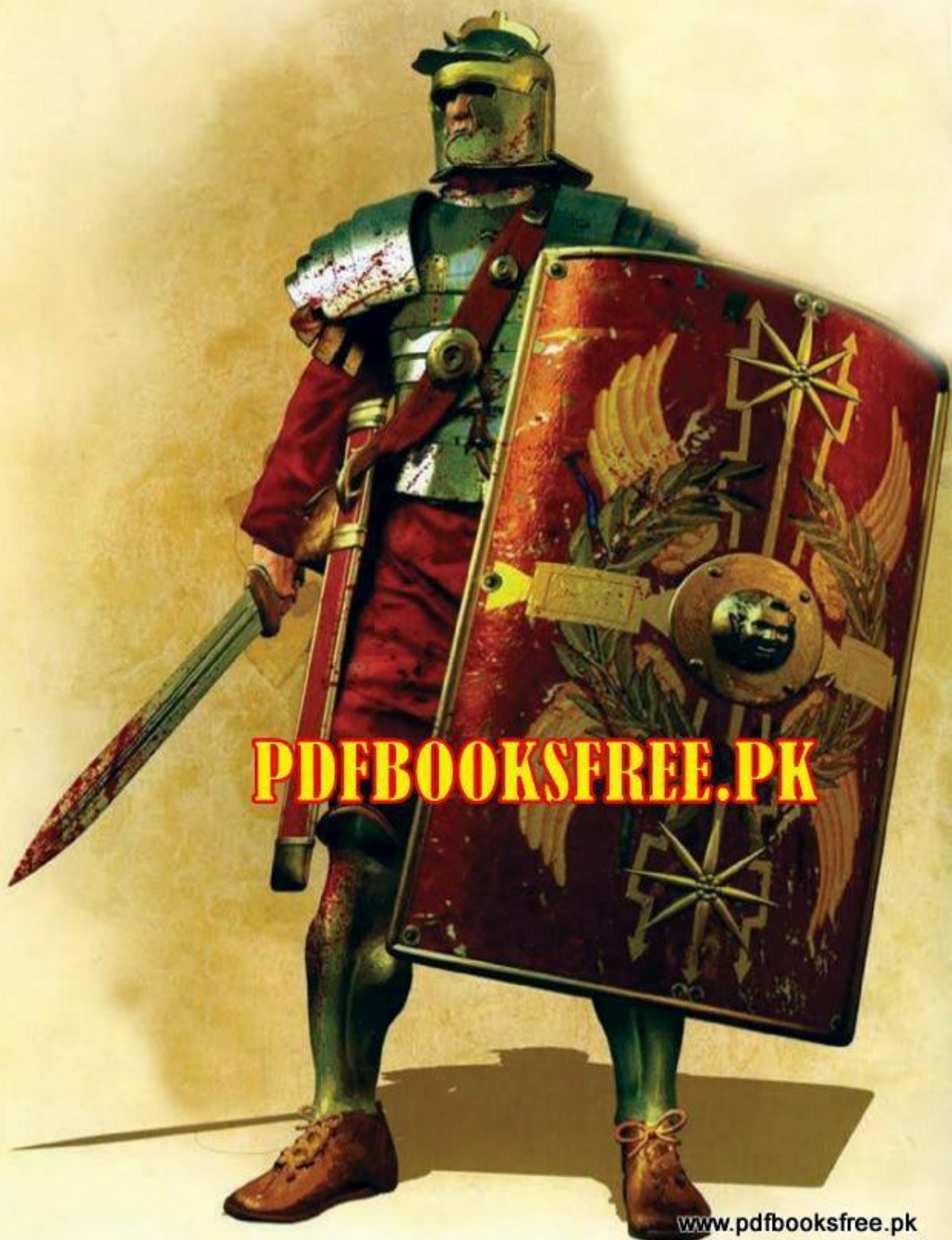


سلطنتوں کے آپس میں تصادم کے حوالے سے ہیں۔ قرآن میں یہ درج ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں کی جو جنگ جاری ہے، اس میں رومیوں کو شکست ہوگئی ہے، لیکن کچھ ہی عرصے بعد رومی خود کو منظم کر کے دوبارہ حملہ کریں گے اور ایرانیوں کو شکست ہوگی اور مسلمان خوش ہو جائیں گے۔ قرآن پاک میں رومی اور فارسی سلطنتوں کی آپس کی جنگوں کے متعلق بات کی گئی ہے کہ جو اس وقت کی عالمی طاقتیں تھیں اور صدیوں سے قائم تھیں۔ یعنی دنیا کے تمام تجارتی راستے مشرق وسطیٰ، افریقہ، یورپ اور مشرق کی طرف ایران سے لیکر خراسان اور ہند کی سرحد تک کے تمام علاقے انہی دو بڑی سلطنتوں میں تقسیم تھے۔ قرآن پاک میں خاص طور پر بڑی قوتوں کے تصادم اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونیوالی صورتحال کا ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان عالمی سطح پر ہونیوالی تبدیلیوں اور بین الاقوامی طاقتوں کے مابین تصادم کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات پر نظر رکھیں۔ عالمی جغرافیائی سیاست اور حربی حکمت عملی کو سمجھنا اور اس سے فائدہ اٹھانا، ہمارے دین اور ایمان کا حصہ بنادیا گیا ہے۔

دوسری طرف حضور ﷺ نے بھی کچھ بشارتیں عطا فرمائیں تھیں۔ ایران کے خسرو پرویز نے جب حضور ﷺ کا نامہ مبارک، یعنی خط، پھاڑ کر پھینکا تو اسی وقت حضور ﷺ نے فرمادیا تھا کہ کچھ ہی عرصے میں اس خط کی مانند اس کی ریاست بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ پھر حضرت سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہننے کی بشارت اور مسلمانوں کو قسطنطنیہ فتح کرنے کی نوید ملنا..... اس طرح کے بہت سے حالات و واقعات رونما ہوئے تھے کہ جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ایمان کی حد تک یقین تھا کہ کچھ ہی عرصے میں مسلمان فارس اور روم جیسی عظیم سلطنتوں کے ساتھ ٹکرائیں گے اور ان پر غالب بھی آجائیں گے۔

فتنہ ارتداد کے خاتمے کے بعد جزیرہ نما عرب میں اسلام کا مکمل طور پر غلبہ ہو چکا تھا، مگر اس وقت تک مسلمانوں نے کوئی عسکری مہم جزیرہ نما عرب سے باہر نکل کر نہیں کی تھی۔ اس کے لیے غیر معمولی فراست، تدبیر اور جرأت کی ضرورت تھی۔ ایرانی سلطنت کہ جو کئی صدیوں سے قائم و دائم تھی، اب اس کے خلاف ایک مہم روانہ کی جانی تھی۔ اسکے لیے حضرت سیدنا خالد بن ولیدؓ سے بہتر انتخاب ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہاں ایک بات بہت اہم ہے۔ جنگی قانون کا ایک بنیادی پہلو یہ ہے کہ جب ایک ملک دوسرے ملک پر حملہ کرتا ہے تو عسکری تناسب ۵ بمقابلہ ۱ یا کم از کم ۳ بمقابلہ ۱ ہونا چاہیے۔ یعنی آپ کی فوج دشمن کی فوج سے پانچ گنا یا کم از کم تین گنا زیادہ ہونی چاہیے تاکہ اس کے دفاع کو روندنے کے بعد بھی آپ کے پاس اتنی اضافی فوج موجود ہو کہ آپ اس کے ملک پر قبضہ کر کے اس کا نظم و نسق چلا سکیں۔ دنیا کی تمام فوجیں آج بھی اسی حکمت عملی پر عمل کرتی ہیں۔

رومی اور فارسی سلطنتیں بھی اسی طریقہ کار پر کاربند تھیں۔ یہ فیصلہ کرنے کیلئے کہ میدان جنگ میں فتح یا شکست کس کا مقدر ہوگی، ان کے نزدیک بھی عددی اور عسکری برتری بہت اہمیت کی حامل تھیں۔ ان کے تمام جرنیل اپنی فوجی اور عسکری حکمت عملی کی بنیاد اسی بات پر رکھتے تھے کہ عددی برتری کس کے پاس ہے اور فوجی ہتھیار اور ساز و سامان کس کے پاس زیادہ ہے۔ ایک بہت بڑا عنصر کہ جو مسلمانوں کے حق میں جاتا تھا، وہ یہ تھا کہ روم اور ایران ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر تھک چکے تھے۔ کئی برس سے ان کی آپس میں خون ریز جنگیں چل



PDFBOOKSFREE.PK



فارسی فوجی

رہی تھیں۔ سلطنت فارس کے حوالے سے ایک اور اہم عنصر یہ تھا کہ وہاں طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا مرکز کمزور ہو چکا تھا اور صوبے بکھر رہے تھے۔ اگرچہ ابھی بھی افواج فارس بہت بڑی طاقت کی صورت میں اپنی جگہ موجود تھیں، لیکن ان کا مرکز کمزور ہونے کی وجہ سے ایسی فیصلہ سازی کہ جو ایک مضبوط سلطنت کو اکٹھا رکھنے کیلئے ضروری تھی، کا فقدان تھا۔

ان حالات میں کہ جب حضرت خالد بن ولید کو ایران پر یلغار کرنے کیلئے بھیجا گیا تو انہوں نے وہ کچھ کیا کہ جو اس سے پہلے یا اس کے بعد عربی و عسکری تاریخ میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ انہوں نے تمام جنگی قوانین نئے انداز سے لکھے۔ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود آج بھی دنیا حضرت خالد بن ولید کی جنگوں سے سبق سیکھتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعد میں آنیوالی مسلمان سلطنتوں نے سیدنا خالد بن ولید کی اتنی قدر نہیں کی کہ جتنی مغربی دنیا، اپنے سپہ سالاروں اور جرنیلوں کی کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے جرنیل اور سپہ سالار مثلاً سکندر اعظم، ہینی بال، چنگیز خان، تیمور حتیٰ کہ جدید دور کے نامور جرنیل بھی جیسے رومیل، منگمری، وگلز میکارتھر وغیرہ شامل ہیں، سیدنا خالدؓ کے سامنے طفل مکتب نظر آتے ہیں۔

جب مسلمانوں نے عراق (جو اس وقت سلطنت فارس کا صوبہ تھا) پر حملہ کیا تو جو فوج بھی مسلمانوں کے مقابلے پر آئی، وہ ان سے کم از کم پانچ گنا بڑی ہوتی۔ حالانکہ جنگی اصول تو یہ تھا کہ یلغار کرنے والی فوج کو پانچ گنا زیادہ ہونا چاہیے۔ لیکن یہاں دفاعی فوج پانچ گنا زیادہ ہوتی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے پاس عسکری وسائل، ساز و سامان اور ہتھیاروں کا تناسب بھی خطرناک حد تک کم ہوتا۔ مسلمانوں کی وہ فوج ایک غیر معمولی فوج

تھی کہ جس میں نہ کوئی افسر تھا نہ کوئی جوان۔ جس کی ضرورت ہوتی، اس کو افسر لگا دیا جاتا۔ جب وہ معزول ہوتے تو سپاہیوں کی صف میں آ جاتے۔ یہ تمام فوج جذبہ جہاد سے سرشار اور رضا کار فوج تھی کہ جس کو تنخواہیں بھی نہیں ملتی تھیں۔ اس فوج کے پاس اتنی بڑی مہم کیلئے نہ جنگی ساز و سامان تھا اور نہ ہی وسائل۔ جس کو گھوڑا مل گیا وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا، جس کو اونٹ مل گیا، وہ اونٹ پر بیٹھ گیا۔ ان کے پاس تیر اندازی کے سامان، تلواروں اور نیزوں کے علاوہ کوئی جدید بھاری جنگی ساز و سامان بھی نہ ہوتا۔

مسلمانوں کی فوج میں نہ کوئی ہاتھی تھے اور نہ ہی منجنیقیں، نہ ہی گھوڑوں سے چلنے والے جنگی رتھ۔ فوج کے پاس کوئی باقاعدہ یونیفارم بھی نہیں تھے، فقط پھٹے پرانے کپڑے۔ یہاں تک کہ ڈھالیں (Shields) بھی نہ ہونے کے برابر تھیں۔ بعض اوقات تو تلواریں بھی بغیر نیام کے ہی ہوتیں۔ ان کے گرد صرف کپڑا لپٹا ہوتا۔ اندازہ کیجیے یہ وہ فوج تھی کہ جو سیدنا حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں جزیرہ نما عرب سے نکل کر دنیا کی عظیم ترین سلطنت فارس کو چیلنج کرنے جا رہی تھی۔

عراقی مہم کے دوران جو جنگیں لڑی گئیں ان میں ہلاکتوں کا تناسب انتہائی حیران کن تھا۔ ایک طرف سلطنت فارس کی مضبوط فوج تھی اور دوسری طرف یہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک رضا کار فوج کہ جو جذبہ جہاد سے سرشار تھی، کہ جس نے اس وقت کی معلوم عسکری حکمت عملیوں کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ ان کے پاس نہ وسائل تھے، نہ ہی عددی برتری۔ یہ جنگ بھی اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور جا کر لڑ رہے تھے کہ جس کی وجہ سے رسد اور کمک کا راستہ بھی خاصا طویل ہو گیا تھا، مگر اس کے باوجود جب جنگ ہوتی، تو ہلاکتوں کا تناسب کچھ یوں ہوتا کہ جیسے پچاس ہزار دشمن جہنم واصل اور صرف چار سو مسلمان شہید، یعنی ہلاکتوں کا تناسب ہی عقل دنگ کر دینے والا ہوتا۔ آج تک دنیا کے تمام عسکری ماہر یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس قدر قلیل فوج کے ساتھ مسلمان کس طرح اتنی بڑی تعداد میں دشمنوں کو ہلاک کرنے کے قابل ہوتے تھے، جبکہ ان کا اپنا نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ دنیا کا کوئی سپہ سالار یا جرنیل تاریخ کے کسی بھی دور میں ایسی مثال پیش نہیں کر سکتا کہ جیسی خالد بن ولیدؓ نے کر کے دکھائی۔

یہ درست ہے کہ رومی اور فارسی سلطنتوں میں طوائف الملوکی تھی، مگر اس کے باوجود بھی وہ بڑی زبردست فوجی قوتیں تھیں۔ لہذا صرف عسکری نقطہ نظر سے یہ وضاحت نہیں کی جاسکتی کہ کیوں مسلمان ہر جنگ میں ان کو اس بری طرح شکست دیتے رہے۔ حالانکہ وسائل اور عددی اعتبار سے بھی مسلم افواج دشمنوں سے کئی گنا کم ہوتیں۔ اس کا جواب عسکری پہلو میں نہیں، سیدنا خالد بن ولیدؓ کی روحانی قیادت میں ہے۔ جو کچھ بھی ان جنگوں میں ہو رہا تھا اس کو کسی جنگی قائد کے تحت نہیں سمجھا جاسکتا، جب تک کہ اس روحانی پہلو کو نہ سمجھا جائے کہ جو ”سیف اللہ“ کو حاصل تھا۔

مسلمانوں کو نفسیاتی فائدہ بھی حاصل تھا، کیونکہ شروع میں احساس برتری اور تکبر سے سرشار فارسی فوج نے مسلمانوں کو کچھ سمجھا ہی نہیں۔ وہ سمجھے کہ روپے، پیسے، مال و دولت کے چکر میں کچھ لیرے آگئے ہیں کہ جو ہمارے ملک میں لوٹ مار کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں تو ہم اپنے



چھوٹے چھوٹے کمانڈروں کے ذریعے ہی ٹھکانے لگا دیں گے۔ اس احساس برتری کے زعم میں بیتا فارسی منصوبہ ساز مسلمانوں کی اس حربی طاقت کو سمجھ ہی نہ سکے کہ جس کی بنیاد اسلام کی اخلاقی و روحانی اساس پر تھی۔

ان تمام حالات میں شام کی حیثیت غیر معمولی تھی۔ اس زمانے میں ملک شام میں موجودہ اردن، لبنان اور فلسطین بھی شامل تھے۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بیت المقدس (یروشلم) میں ہوئی، لہذا تمام عیسائی دنیا کے لیے بیت المقدس کی وہی حیثیت ہے کہ جو مسلمانوں کے لیے مکہ و مدینہ کی۔ جب حضرت عیسیٰ کا ظہور ہوا تو اس وقت اس تمام علاقے پر رومی حکمرانی کر رہے تھے۔

حضرت عیسیٰ کے تین سو سال بعد رومی سلطنت نے بھی عیسائیت قبول کر لی۔ آج بھی استنبول میں ”آیا صوفیہ“ کا ایک ۹۰۰ سال پرانا کلیسا ہے کہ جو آج بھی اس بازنطینی سلطنت کی نشانی کے طور پر موجود ہے۔ آنے والی صدیوں میں تمام صلیبی جنگوں کا مرکز بھی قسطنطنیہ ہوا کرتا تھا کہ جو بازنطینی سلطنت کا دار الحکومت تھا۔ یہ صلیبی ایشیا کو چک اور ترکی کے راستے آیا کرتے اور شام، مصر اور بیت المقدس پر



حملہ آورہوتے۔ جب حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق میں اپنی عسکری مہم جوئی شروع کی اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں شام جانے کا حکم دیا، تو اس وقت شام، رومی بازنطینی سلطنت کا ایک بہت بڑا صوبہ تھا۔ بنیادی طور پر وہاں جتنے بھی بازنطینی کمانڈر تھے، وہ یورپ سے آیا کرتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی یہ شام کی مہم رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کا پہلا بڑا تصادم تھا۔ اس تصادم میں شام میں موجود وہ تمام رومی فوج شریک تھی کہ جس کی قیادت قسطنطینیہ کا حکمران ”ہرقل“ یعنی ہرقلیس خود کر رہا تھا۔ بازنطینی سلطنت کے صوبے آرمینیا سے یورپ تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس رومی فوج میں آرمینی، سلاو، انگریز، فرانسیسی اور جرمن دستے اپنے اپنے کمانڈروں کے ہمراہ شامل تھے۔

جب خلیفہ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنی فوج کے ہر اول دستے کو شام کی طرف بھیجا، اس وقت شام کی ساری آبادی عیسائی تھی کہ جس میں عرب عیسائیوں

کی ایک بڑی تعداد بھی شامل تھی۔ اس کے علاوہ پارسی (مجوسی) بھی بہت بڑی تعداد میں آباد تھے۔ اس ساری صورتحال میں جنگی مہم کیلئے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو وہاں بھیجا گیا۔ شام میں پہلے سے موجود دستوں میں سے ایک کی قیادت جلیل القدر صحابی امین الامت، حضرت سیدنا ابوعبیدہ بن الجراحؓ کر رہے تھے کہ جو عشرہ مبشرہ میں سے بھی ہیں۔ مختلف جانب سے مسلمانوں کے کئی دستے کہ جو مختلف علاقوں میں موجود تھے، ملک شام پہنچ رہے تھے۔ ان کے مقابلے پر ہرقل نے ایک بڑی فوج اکٹھی کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ خطرہ پیدا ہوا کہ چونکہ مسلمانوں کے دستے آس پاس کے علاقوں میں بکھرے ہوئے ہیں، اس لیے وہ رومی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان مسلمان دستوں کو اکٹھا ہی نہ ہونے دیا جائے اور ایک ایک دستے کو اپنی اپنی جگہ پر حملہ کر کے تباہ کر دیا جائے۔ ہرقل کی حکمت عملی بھی یہی تھی کہ وہ بھاری لشکر کے ہمراہ ان مسلمان دستوں کو ملانے والے راستوں کو منقطع کر دے۔ وہ مسلمان لشکروں کو تقسیم کر کے ختم کرنا چاہتا تھا۔ جب یہ اطلاع سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچی تو آپؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم دیا کہ وہ فوراً شام پہنچیں اور

تیکہ زوم

شام

و مشق

خالد

غیاث

رُومی فوج کی پیش قدمی

بُصْرَىٰ ۝

محمّد علی

أُردن

صفحه

○ جنین

۵۰ تا بیس

رام الله
القدس
(بيت المقدس)

اجنادین

المستطین

از نیکوین ابی سفیان

اجنادین کی طرف پیش قدمی

← اسلامی لشکر

مسجد لکھنؤ

www.pdfbooksfree.pk

عمرو

2000000:1

36



وہاں کے لشکروں کی قیادت سنبھالیں۔ پھر حضرت خالد بن ولیدؓ ریگستان سے ہوتے ہوئے شام میں داخل ہو گئے۔ رومی فوج کو یہ توقع ہی نہ تھی کہ مسلمان لشکر اس راستے سے بھی آسکتا ہے۔

شام پہنچ کر سیدنا خالد بن ولیدؓ نے سب سے پہلے ابو عبیدہ بن الجراحؓ سے رابطہ قائم کیا اور پھر دونوں افواج آپس میں مل گئیں۔ آپس میں بیٹھ کر صلاح مشورہ کر کے جنگی حکمت عملی تیار کی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ تمام مسلمان فوجیں فی الفور اکٹھی ہوں، تاکہ اکیلے اکیلے دشمن کے نرغے میں آنے کی بجائے ایک بڑا لشکر تشکیل دیا جاسکے کہ جو براہ راست رومی سلطنت کے قلب، یعنی دمشق پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ دمشق پر قبضہ کرنے کی صورت میں شام پر قبضہ کرنا بہت آسان ہو جاتا۔ شام کے بڑے بڑے شہروں یعنی دمشق، انطاکیہ، بیت المقدس اور سمندر کے ساتھ ساتھ لبنان میں بیروت کے آس پاس کے علاقوں میں بڑے بڑے قلعے اور شہر آباد تھے۔ شام بازنطینی سلطنت کا سب سے خوبصورت صوبہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ بہت شدت سے اس کا دفاع کر رہے تھے۔ چنانچہ پہلے مسلمانوں کی رومیوں سے چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں اور چند ایک چھوٹے قلعوں پر قبضہ کیا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے براہ راست دمشق کا محاصرہ کر لیا۔ دمشق کا محاصرہ جاری تھا کہ مسلمانوں کو خبر ملی کہ رومی بادشاہ ہرقل نے اپنی فوجوں کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو پشت سے گھیرنا چاہتا ہے اور اجنادین کے مقام پر رومی فوجوں کو جمع کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ دمشق کا محاصرہ طویل ہوتا جا رہا ہے، تو خالد بن ولیدؓ نے اپنی فوجوں کو لیا اور حضرت ابو عبیدہؓ کیساتھ اجنادین کی جانب بڑھنا شروع کیا، کہ جہاں پر مسلمانوں کی رومیوں کے ساتھ ایک بہت بڑی اور فیصلہ کن جنگ ہونے والی تھی۔ لیکن اس سے پہلے ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔

مسلمانوں کا کیمپ اور لشکر جب دمشق کے محاصرے کو چھوڑ کر واپس پلٹا تو اس کے آخر میں مسلمان عورتوں کے کیمپ پیچھے رہ گئے۔ سیدنا خالد بن ولیدؓ جب تھوڑا آگے نکل گئے، تو رومی قلعے سے باہر نکل کر اس کیمپ پر حملہ آور ہوئے کہ جس میں مسلمان عورتیں تھیں۔ ان حملہ آوروں کی تعداد تقریباً چھ ہزار تھی۔ رومیوں نے مسلمان عورتوں کے خیموں کو گھیر لیا۔ ان میں حضرت خولہؓ بھی تھیں کہ جو مشہور صحابی حضرت ضارؓ کی بہن تھیں۔ انہوں نے تمام مسلمان خواتین کو ہمت دلائی اور وہ خیموں کے ڈنڈے اور چوبیس نکال کر رومیوں سے مقابلے کے لیے تیار ہو گئیں۔ رومیوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمان عورتوں کو زندہ گرفتار کر کے دمشق کے قلعے میں لے جائیں گے۔ خالد بن ولیدؓ کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ فوراً پلٹے اور صرف مٹھی بھر مجاہدین کو ساتھ لیکر غیض و غضب کے عالم میں قیامت بن کر کفار پر ٹوٹے۔ کفار کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ انہوں نے کس کو چھیڑ دیا ہے۔ ایک طرف تو خالدؓ تھے کہ جن کا جلال اپنی انتہا کو چھو رہا تھا کہ رومیوں نے مسلمانوں کی عزت پر حملہ کیا تھا اور دوسری طرف حضرت ضار بن الازورؓ کا جلال کہ جن کی جان سے پیاری بہن رومیوں کے چنگل میں پھنسی ہوئی تھیں۔ رومیوں کو اندازہ بھی نہ ہوا کہ کہاں اور کس طرح سے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بجلی بن کر ان پر گرے۔ چھ ہزار رومیوں میں سے صرف چند سو ہی بمشکل اپنی جانیں بچا کر واپس قلعے تک پہنچ سکے۔ باقی پوری فوج اسی میدان میں کاٹ دی گئی۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ سیدنا خالد بن ولیدؓ دشمن پر ہلکا ہاتھ رکھنے کے قائل ہی نہ تھے۔ وہ جب تلوار نکالتے تو جب تک ہزار دو ہزار کی گردنیں نہ اتار لیتے، ان کو سکون ہی نہیں ملتا تھا۔ خالد بن ولیدؓ کے وہ سارے کارنامے کہ جو یہ عراق میں فارسیوں کے خلاف انجام دے چکے تھے، ان کے شام پہنچنے سے پہلے ہی رومی فوج کے ایک ایک سپاہی سے لیکر سپہ سالار تک پہنچ چکے تھے، اور خالدؓ کا نام سن کر ہی دشمن پر سراسمگی طاری ہو جاتی تھی۔

اجنادین کی لڑائی وہ پہلی بڑی جنگ تھی کہ جو مسلمانوں اور رومیوں کے مابین ہوئی۔ یہاں پر عددی تناسب دیکھا جائے تو ایک لاکھ رومی تھے۔ رومیوں نے بھی صرف اپنے ہراول دستے ہی بھیجے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چالیس ہزار مسلمانوں کیلئے رومیوں کا یہ ہراول دستہ ہی کافی ہوگا۔ رومیوں کا ابھی تک مسلمانوں سے کوئی ایسا واسطہ نہیں پڑا تھا کہ وہ باقاعدہ جنگ میں مسلمانوں کی جنگی حکمت عملی دیکھ سکتے۔ حضرت خالدؓ کا انہوں نے نام ضرور سنا تھا، لیکن خالدؓ کو میدان جنگ میں لڑتے نہیں دیکھا تھا۔ رومیوں کی کئی صدیوں کی حربی تاریخ کی جنگی حکمت عملیاں، حضرت خالدؓ کے خلاف معرکوں میں ٹوٹی اور بکھرتی جا رہی تھیں۔ مسلمان فوج کے پاس کوئی خاص ہتھیار نہیں تھے، جبکہ رومیوں کے پاس منجیقین اور گھڑ سوار دستے تھے، اور وہ خود بھی سر سے پاؤں تک زرہ بکتر میں غرق تھے۔ مسلمانوں کے پاس ہلکی تلواریں اور نیزے اور ہلکا گھڑ سوار دستہ تھا۔ لیکن جب جنگ اجنادین اختتام پذیر ہوئی تو نتائج انتہائی غیر معمولی اور ناقابل یقین تھے۔ ستر ہزار رومی قتل ہوئے جبکہ صرف ساڑھے چار سو مسلمان شہید ہوئے۔ ان نتائج کو سمجھنے سے انسانی ذہن قاصر ہے۔

دنیا کی تمام جنگی تاریخ میں آپ کو ایسے نتائج کہیں نہیں ملیں گے۔ یہ کون سی طاقتیں تھیں کہ جو وہاں کام کر رہی تھیں؟ کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا رومی اور فارسی سلطنتوں نے چوڑیاں پہنی ہوئی تھیں؟ رومیوں کو عددی برتری بھی حاصل تھی، اسلحہ کے زور پر وہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر دینے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کے سامنے ٹک نہ پائے۔ جب تک اس معاملے کے ایمانی و روحانی پہلو کو نہ سمجھا جائے ان باتوں کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ جب تک آپ مسلمانوں کی ان روحانی طاقتوں کو نہیں سمجھیں گے کہ جو ان فوجوں کیساتھ تھیں، آپ کبھی بھی اس امر کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس قسم کی جنگ کے بعد یہ نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے۔

قرآن پاک میں جنگ بدر میں حضور ﷺ کی ایک مشت خاک پھینکنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ ترجمہ: ”..... جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ اللہ نے مارے تھے.....“ (الانفال آیت نمبر ۱۷) اور پھر ملائکہ کے نزول کا واقعہ کہ جب وہ حضرت جبرائیلؑ کی سرکردگی میں صف در صف نازل ہوئے اور مسلمان لشکر میں شامل ہو کر مشرکین کے خلاف لڑے۔ جنگ بدر میں بھی ۱۴ مسلمان شہید ہوئے اور ۷۰ کفار مارے گئے۔ اور پھر وہی بات کہ مسلمان دشمن کے مقابلے میں ایک تہائی سے بھی کم تعداد میں تھے اور ان کے پاس کوئی قابل ذکر اسلحہ بھی نہ تھا، پھر بھی انہوں نے دشمن کو ایک فیصلہ کن شکست سے دو چار کیا۔ تاریخ



اسلام میں شاید ہی کوئی ایسی جنگ لڑی گئی ہو کہ جس میں مسلمان عددی طور پر دشمن سے زیادہ ہوں۔ یہ ایک حیران کن معجزہ ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خالدؓ جیسا بہترین گھڑسوار سالار (Cavalry Officer) دنیا کی تاریخ میں پیدا نہیں ہوا۔ وہ جس طرح گھڑسوار دستے کو جنگ میں استعمال کرتے تھے، اس سے پہلے کبھی انکا ایسا استعمال نہیں کیا گیا۔ وہ دشمن کے گھڑسوار دستوں کو الجھائے رکھتے۔ عموماً دشمن کے پاس بھاری گھڑسوار دستے ہوتے، جبکہ مسلمانوں کے پاس ہلکا گھڑسوار دستہ (Light Cavalry) ہوتا تھا۔ وہ دشمن کے گھڑسوار دستوں کو الجھا کر اپنے گھڑسوار دستے کا ایک حصہ اس لڑائی سے نکال کر دشمن کے پیادہ دستے پر کاری ضرب لگاتے ہوئے اسے پیچھے دھکیل دیتے۔

پھر دوبارہ یہاں سے پیچھے ہٹ کر ایک مرتبہ پھر دشمن کے گھڑسوار دستوں کے خلاف حملہ آور ہوتے۔ جس طریقے سے خالدؓ گھڑسوار دستے کے ذریعے مخالف فوج پر پہلو کی جانب سے حملہ آور ہوتے اور جھپٹتے پلٹتے، یہ اس وقت کی حربی حکمت عملی میں ایک نیا اضافہ تھا۔ یہ ایک ایسی جنگی حربی چال تھی کہ جو دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ حضرت خالدؓ کی وضع کردہ اس جنگی تکنیک کو جدید دور میں جرمن افواج نے بھی جنگ عظیم دوم میں افریقہ کے محاذ پر نہایت کامیابی کے ساتھ استعمال کیا تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خالدؓ دنیا کے عظیم ترین سپہ سالار تھے، مگر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ حضرت خالدؓ خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ان کی کامیابیوں کا راز اس نور اور فیض میں ہے کہ جو ان کو حضور ﷺ کی طرف سے نصیب ہوا ہے۔ وہ ایمان کی حد تک حضور ﷺ کے بال مبارک اپنے وجود سے لگا کر رکھتے تھے اور پھر سیدی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کو ”سیف اللہ“ کا لقب بذات خود اس بات کی ضمانت تھا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت ”اللہ کی تلوار“ کو شکست نہیں دے سکتی۔ کوئی توجہ ہے کہ عراق و شام کی فتح کا کام خالدؓ سے لیا گیا۔

اجنادین کی جنگ کے بعد مسلمان اب اس قابل ہو گئے تھے کہ پورے شام کے مختلف علاقوں میں پھیلیں اور براہ راست دشمن کے



مقابلے پر آئیں۔ اجنادین کی شکست رومیوں کے لیے ایک بہت بڑی شکست تھی۔ لیکن اب بھی بڑے بڑے شہر یعنی دمشق، بیت المقدس وغیرہ ان کے پاس تھے اور وہاں بھی ان کی بڑی بڑی چھاؤنیاں موجود تھیں۔ لیکن خالدؓ کے ہاتھوں اپنی فوجوں کے قتل عام سے ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ انہوں نے پہلی مرتبہ اس شکست کو انتہائی سنجیدگی سے لیا۔ انہوں نے اپنی پوری سلطنت سے فوجیں بلانی شروع کیں۔ آرمینیا کا بادشاہ ”بابان“ (Baanes) خود اپنی فوج لے کر پہنچا، پورے یورپ اور یوگوسلاویہ سے فوجیں آئیں اور خود ہر قتل یعنی ہر کولیس اپنے لشکر جرار کیساتھ وہاں موجود

تھا۔ اب انہوں نے مل کر ایک اور بڑی جنگ کی بھرپور تیاریاں شروع کر دیں۔ مسلمانوں کو اندازہ تو تھا کہ مزید خونریز جنگیں آنے والی ہیں، لیکن خود اکثر مسلمانوں کو بھی، کہ جو مکہ و مدینہ سے یہاں آئے تھے، یہ اندازہ نہیں تھا کہ انکی شدت کتنی ہوگی۔

اگر ہم ان تمام مہمات کا ایک جامع تجزیہ کریں کہ جو اس زمانے میں مسلمانوں کو فارسی اور رومی سلطنتوں کے خلاف درپیش آئیں، مسلمان اور رومی بازنطینی افواج کی عسکری چالوں اور جنگی منصوبہ بندی پر نظر ڈالیں، تو ہم ان سب تجزیات میں ایک بہت اہم پہلو کو بھی موضوع بحث بنانا چاہیں گے کہ جس کی تاریخ شہادت دیتی ہے۔

جنگ اجنادین میں جب پہلی دفعہ رومیوں کا واسطہ سیدنا خالد بن ولیدؓ سے پڑا، تو رومیوں کا ایک پادری سیدنا خالد بن ولیدؓ کے پاس آیا اور سیدنا خالدؓ سے پوچھا کہ کیا تم ان کے سپہ سالار ہو؟ خالدؓ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک ان کا سپہ سالار ہوں کہ جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں گا اور جب میں حکم عدولی کرونگا، پھر یہ نہ میری عزت کریں گے اور نہ ہی میں ان کا سپہ سالار رہوں گا۔ یہ سن کر پادری کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ یہی وجہ ہے کہ تم لوگ ہمیں شکست پر شکست دیتے جا رہے ہو۔

اسی طرح ایک مرتبہ خالدؓ نے حضرت ضرارؓ کو بھیجا کہ وہ رومی لشکر کی جاسوسی کریں۔ ضرارؓ ”ننگے بدن جنگجو“ کے نام سے مشہور تھے، یعنی جب وہ دشمن کی صفوں پر حملہ کرتے، تو جوش ایمانی میں آ کر کر تک اپنی قمیض اتار دیا کرتے اور زرہ پھینک کر دشمن پر ٹوٹ پڑتے، یعنی صرف تلوار اور نیزہ لیکر جنگ کرتے اور اپنے اس خاص حلیے کی وجہ سے دور سے پہچانے جاتے کہ یہ ضرار بن الازورؓ ہیں۔ وہ فطرتاً ایک دلیر اور جانباز جنگجو تھے۔



جب ضرار کو جاسوسی کے لیے بھیجا گیا تو وہ رومی لشکر کے اتنے قریب چلے گئے کہ بالکل رومیوں کے سامنے کھڑے ہو کر انکا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ رومیوں نے ان کے مقابلے پر ۳۰ مضبوط سپاہی روانہ کیے کہ ان کو گرفتار کر کے لاؤ۔ ضرار پہلے تو اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ ڈکی چال دوڑاتے رہے۔ جب رومی اپنے کیمپ سے دور آ گئے، تو پھر ضرار نے پلٹ کر ان پر حملہ کر دیا۔ آنا فنا ۳۰ میں سے ۱۹ کو ضرار نے موقع پر ہی مار گرایا، جبکہ باقی دہشت زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب صحیح معنوں میں رومی لشکر پر مسلمانوں کی دہشت طاری ہو چکی تھی اور رومی لشکر میں بھی یہ افواہیں زور پکڑنے لگیں تھیں کہ کوئی غیر مرئی طاقتیں اور روحانی قوتیں مسلمانوں کیساتھ ہیں۔

رومی جرنیل نے بھی اپنا ایک جاسوس خالدؓ کے لشکر میں بھیجا۔ وہ شخص مسلمانوں کیساتھ آسانی سے گھل مل گیا کیونکہ وہ ایک عرب عیسائی تھا۔ اس نے مسلمانوں کے لشکر میں آ کر ایک رات گزاری اور واپس جا کر اپنے بادشاہ کو بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ رات میں ان کو دیکھو تو لگتا ہے کہ راہب ہیں۔ ساری رات عبادت، نماز، زہد، قرآن، ذکر و اذکار میں گزار دیتے ہیں کہ جیسے دنیا سے ان کا کوئی تعلق واسطہ ہی نہیں۔ اور دن میں دیکھو تو ایسے شہسوار ہیں کہ لگتا ہے شہ سواری کے سوا ان کا کوئی اور کام ہی نہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو وہ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں اور اگر بادشاہ وقت خود کوئی گمراہی یا بدکاری کرے تو اس کو بھی سنگسار کر دیں! یہ مسلمان فوج کے کردار کے حوالے سے اتنی بڑی گواہی تھی کہ جو تاریخ میں ہمیشہ کے لیے ثبت کر دی گئی۔

یہ وہ تمام غیر معمولی معاملات تھے کہ جن کو صرف ایمانی اور روحانی نقطہ نگاہ سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ جب تک مسلمان جرنیل، دفاعی، عسکری اور فوجی علوم و فنون کے ماہر، اس ایمانی و روحانی پہلو کو بروئے کار نہیں لائیں گے، کہ جس کو ماضی میں تاریخ اسلام کا ہر مسلمان جرنیل، سپہ سالار اور غازی بروئے کار لایا، کہ جس نے نئی تاریخ مرتب کی، ہم وہ فتوحات حاصل نہیں کر سکتے کہ جو قرون اولیٰ میں ان مجاہدین کو حاصل ہوئیں۔ ان کی غیر معمولی فتوحات میں سب سے اہم یہی روحانی پہلو تھا۔ یہ عسکری زاویے سے نظر نہ آنے والا روحانی و اخلاقی پہلو ہی مسلمانوں کے لیے فیصلہ کن کردار ادا کرتا رہا ہے اور آئندہ بھی کرے گا۔

جنگ ابن جنادین میں ایک اور غیر معمولی واقعہ ہوا کہ جس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

وردان بور کہ جو رومیوں کا ایک کمانڈر تھا، اس نے منصوبہ بنایا کہ ہم دھوکے سے سیدنا خالد بن ولیدؓ کو شہید کر دیتے ہیں اور اس مقصد کیلئے ایک خاص مقام پر اس نے اپنے دس شہسوار چھپا دیئے اور ایک آدمی قاصد کے طور پر خالدؓ کے پاس بھیجا کہ جو آپؓ سے یہ کہے گا کہ صبح وردان آپؓ سے ملنا چاہتا ہے، یعنی رومی سپہ سالار میدان جنگ کے عین بیچ میں حضرت خالدؓ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ جب خالد بن ولیدؓ ملاقات کے لیے میدان جنگ میں آئیں گے، تو وہاں وردان خود ان کو پکڑے گا اور چھپے ہوئے دس سوار نکل کر حضرت خالدؓ کو شہید کر دیں گے۔

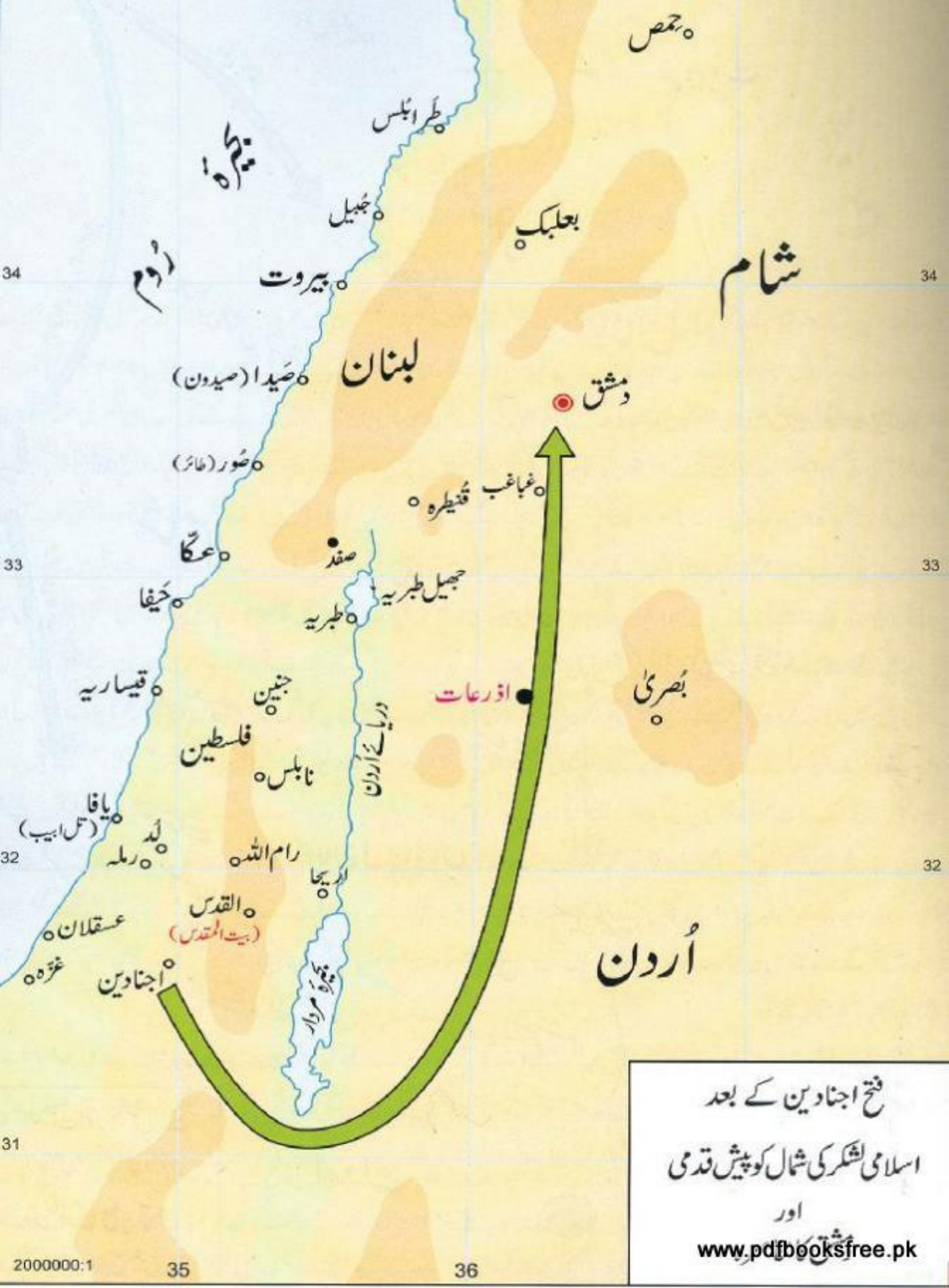
لہذا جب وہ عیسائی سیدنا خالدؓ کے سامنے پہنچا تو اس نے خرافات بکئی شروع کر دیں کہ رومی سالار آپؓ سے معاہدہ امن کرنا چاہتا ہے۔

یہ نام نہاد اعتماد سازی کے اقدامات (Confidence Building Measures) کہ جن کے نام ہم آجکل بھی سنتے رہتے ہیں، یہ سب کمزوری کی علامتیں ہیں۔ دشمن کی فطرت مسلمانوں کے خلاف کبھی نہیں بدلے گی۔ یہ اعتماد سازی کے اقدامات محض دھوکہ اور فریب کا جال بچھا کر نقصان پہنچانے کی سازش ہی ہے۔ جنگِ اجنادین میں بھی ایسی ہی سازش کا فرما تھی۔ آج بھی پاک، ہندوستان تعلقات میں یہی سازش کا فرما ہے۔

بہر کیف خالدؓ سیف اللہ تھے، انہیں روحانی تائید و مدد حاصل تھی۔ بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی کہ قاصد کی بات پر اعتبار نہ کیا جائے، لیکن اللہ کی طرف سے اشارہ ہوا اور یہ اللہ کا مجاہد جلال میں آگیا۔ خالدؓ نے اسے گھور کر دیکھا اور صرف اتنا پوچھا کہ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ تو خوف کے مارے اس قاصد کے اوسان خطا ہو گئے اور اس نے اپنی جان کی امان لے کر سارے راز بتا دیئے۔ خالدؓ پر جب یہ عقدہ کھلا کہ وردان کا کھیل کیا ہے، تو پہلے آپؓ جلال میں آ کر خود تلوار لے کر ان چھپے ہوئے دس رومیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے پر تیار ہو گئے، مگر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے صلاح دی کہ خود جانے کے بجائے ضرارؓ کو بھیج دیں اور ضرارؓ وہاں جا کر ان رومیوں کو قتل کر دیں گے یا ان کو زندہ گرفتار کریں گے اور پھر اگلے دن کی ترتیب ویسے ہی رکھی جائے کہ جیسے پہلے سے طے شدہ تھی، تاکہ رومیوں کو شک نہ گزرے۔ لہذا اگلے دن جب حضرت خالد بن ولیدؓ رومی سپاہ سالار وردان سے ملاقات کے لیے میدان کے عین درمیان میں پہنچ گئے، تو اس سے پہلے ہی رات کو حضرت ضرارؓ دس ساتھیوں کیساتھ جا کے ان دس رومیوں کو قتل کر چکے تھے اور ان کے جنگی لباس اور زرہ بکتر پہن کر خود وہاں چھپے ہوئے تھے۔ جب وردان نے وہی شرارت کی کہ جس کا منصوبہ اس نے بنا رکھا تھا اور خالدؓ کو پکڑنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو آواز دی، تو خالدؓ سکون سے اپنی جگہ کھڑے رہے اور حضرت ضرارؓ دس ساتھیوں کیساتھ وردان کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ جب وردان نے یہ دیکھا کہ کھیل الٹ گیا ہے تو اس نے خالدؓ سے صرف یہ التجا کی کہ مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کیجیے گا، ضرارؓ کے حوالے نہ کریں۔ خالدؓ اتنے جلال میں تھے کہ انہوں نے ضرارؓ کو صرف اشارہ کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ضرارؓ نے وردان کا سرتن سے جدا کر دیا۔

اجنادین میں فتح حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کا رخ واپس دمشق کی جانب ہو گیا۔ دمشق میں مسلمان فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک طرف سیدنا خالدؓ اور دوسری جانب سیدنا ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے کمان سنبھال لی۔ دمشق کے لوگوں کو یقین تھا کہ دمشق کا مضبوط قلعہ ان کی حفاظت کرے گا اور وہ کسی بھی قیمت پر صلح پر راضی نہیں تھے۔ جو مار رومیوں کو اجنادین یا باقی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں پڑ چکی تھی، وہ اس سے نہایت خوفزدہ تھے، لہذا اب ہر نکل کر جنگ بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ یہ رومی پہلے ہی حضرت خالدؓ کے ہاتھوں اپنے چھ ہزار جوانوں کا خون کروا چکے تھے۔ اب اس کیفیت میں حضرت خالد بن ولیدؓ کو محاصرہ نہایت طویل لگنے لگا تو آپؓ نے چھاپہ مار کارروائی (Commando Action) کے ذریعے قلعے کی دیوار پھلانگ کر دروازے کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور پھر یہی ہوا۔

شہر کے ایک جانب سے حضرت خالدؓ اپنی فوجوں کو لیکر جنگ کرتے ہوئے داخل ہو گئے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت خالدؓ شہر



ہمحص

طرابلس

نیما

جبیل

بعلبک

شام

لبنان

بیروت

صیدا (صيدون)

لبنان

صور (عاص)

غباغب قنيطرة

عکّا

صفد

حیفا

جبیل طبریہ

قیساریہ

جنین

فلسطين

نابلس

دریائے اردن

اذرعات

بصری

یافا (تل ابیب)

لہ

رمہ

رام اللہ

اردیجا

القدس (بیت المقدس)

عسقلان

غزہ

اجنادین

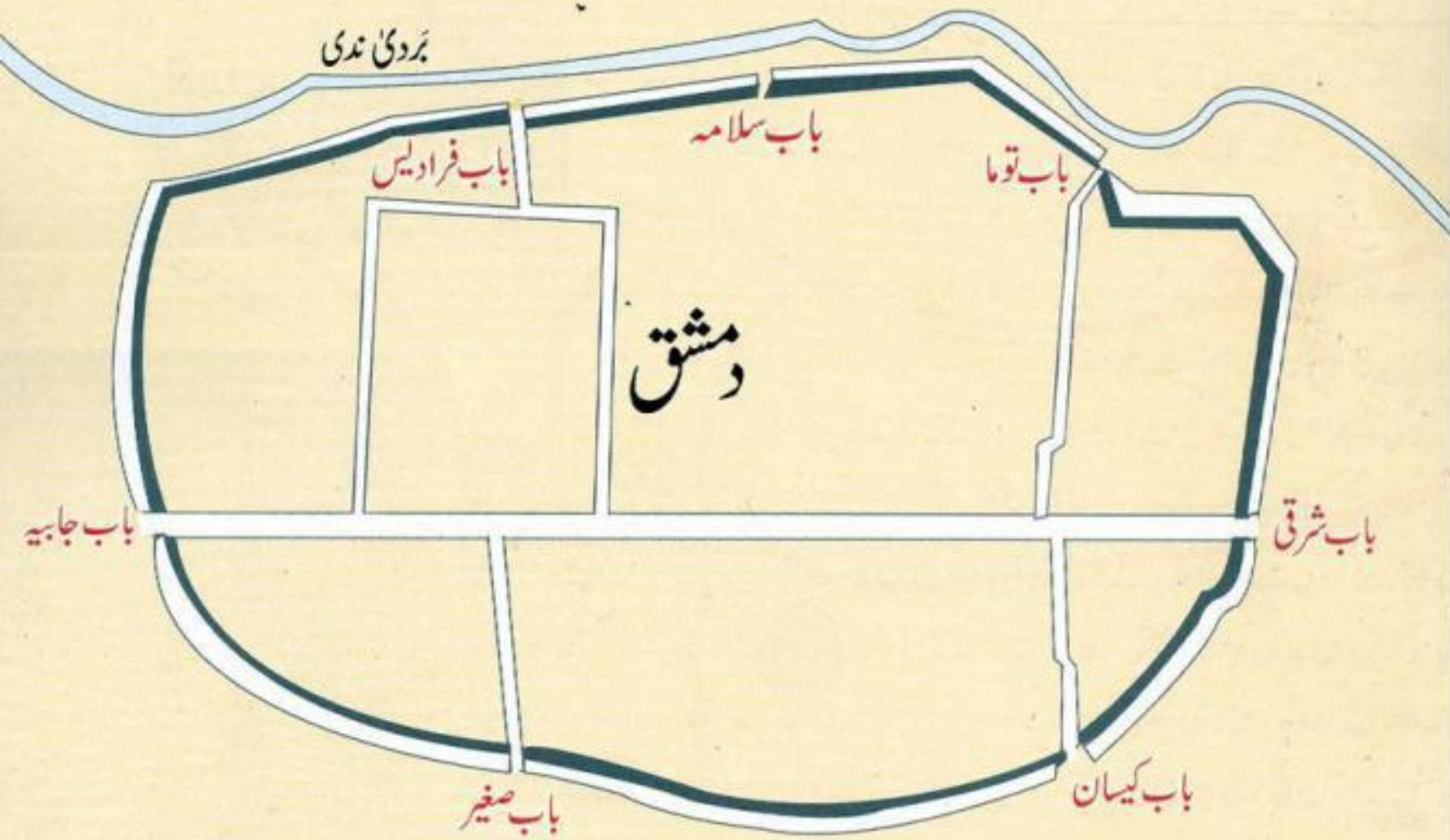
اردن

فتح اجنادین کے بعد

اسلامی لشکر کی شمال کو پیش قدمی

اور

www.pdfbooksfree.pk



12000:1

میں داخل ہو گئے ہیں اور شکست یقینی ہے، تو شہر کی قیادت اس دروازے کی طرف دوڑی کہ جہاں حضرت ابو عبیدہؓ کی فوجیں موجود تھیں اور دروازہ کھول کر حضرت ابو عبیدہؓ کو امن و عافیت کے ساتھ شہر میں داخل ہونے اور اپنے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کرتے ہوئے صلح کی شرائط طے کر لیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کو امان دے دی۔ لیکن دوسری جانب حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس امان نامے اور صلح کی اطلاع نہیں ہوئی تھی اور وہ ابھی تک لڑائی میں مصروف تھے۔ یہاں ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے کو ملا کہ جب دونوں مسلمان فوجیں دمشق کے عین بیچ میں آپس میں ملتی ہیں، ایک امن سے داخل ہو رہی ہے اور دوسری طرف خالدؓ کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہوتا ہے۔ خالدؓ کا استدلال یہ تھا کہ میں نے شہر تلوار کے زور پر فتح کیا ہے، جبکہ حضرت ابو عبیدہؓ اس بات پر مصر تھے کہ یہ شہر ایک صلح کے نتیجے میں قبضے میں آیا ہے۔ بالآخر حضرت خالدؓ نے ابو عبیدہؓ کی دلیل کو تسلیم کر لیا اور تمام امن کی شرائط مان لی گئیں اور اس طرح مسلمانوں نے دمشق پر بھی قبضہ کر لیا۔

دمشق کی جنگ کے دوران کچھ اور غیر معمولی واقعات بھی رونما ہوتے ہیں۔ مدینہ میں خلیفہ اول امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا انتقال ہو گیا اور سیدنا عمر فاروقؓ ان کی جگہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ دمشق کی جنگ کے دوران ہی حضرت عمر فاروقؓ نے ایک مکتوب حضرت ابو عبیدہؓ کو لکھا کہ جس میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی کمانڈر انچیف کی حیثیت سے معزولی کے احکامات تھے اور یہ حکم بھی دیا گیا تھا کہ



حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ مسلمانوں کے نئے سپہ سالار اعلیٰ ہو گئے۔ ابو عبیدہؓ اس خط سے بہت دکھی ہوئے، لیکن امیر المومنین کا حکم تھا کہ جس کی تعمیل لازم تھی۔ یہاں پر سیف اللہ کا کردار دیکھیے۔ جب ان کو یہ کہا گیا کہ آپؓ کو معزول کر کے ایک عام سپاہی بنایا جا رہا ہے، تو کیا آپؓ اس حکم کو سر آنکھوں پر تسلیم کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت خالدؓ اطمینان سے کہتے ہیں کہ اگر میں عمرؓ کے لیے لڑتا تھا تو اب نہیں لڑوں گا، لیکن اگر میں اللہ رب العزت کے لیے لڑتا تھا، تو اسی طرح ایک سپاہی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں سرانجام دیتا رہوں گا! اور پھر تاریخ نے دیکھا کہ خالدؓ کی تلوار اسی طرح چلتی رہی کہ جس طرح ایک مجاہد اور اللہ کے سپاہی کی تلوار چلتی ہے۔

آج اگر ہمارے جرنیلوں کا یہ کردار ہو کہ سپہ سالاری سے راتوں رات اس کو سپاہی بنا دیا جائے اور پھر بھی اس کے جذبہ ایثار و قربانی میں کمی واقع نہ ہو، جب اس طرح کے لشکر ہوں کہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہوں اور جب ضرار جیسے سپاہی ہوں، تو پھر نئی تاریخ رقم ہوتی ہے، نئی جنگی حکمت عملی مرتب کی جاتی ہے، نئے جنگی مسودے لکھے جاتے ہیں اور پھر وہی تاریخ بنتی ہے کہ جس طرح روم اور فارس کے خلاف اس وقت کے مسلمانوں نے رقم کی تھی۔

خالد بن ولیدؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے مابین گہری محبت تھی اور جب خالدؓ نے ان سے یہ پوچھا کہ اب میرے لیے اگلا حکم کیا ہے، تو ابو عبیدہؓ نے اگلا حکم یہ دیا کہ آپؓ میرے نائب ہیں اور نائب کی حیثیت سے جنگ کی کمان آپؓ سنبھالیں گے۔ یعنی سیدنا عمر فاروقؓ کے حکم کی تعمیل بھی ہو گئی اور حضرت ابو عبیدہؓ نے جنگی حکمت عملی اور سپہ سالاری کی حیثیت سے جو فیصلہ کیا، وہ میدان جنگ کی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے اعلیٰ ترین مفاد میں بھی تھا۔

خالدؓ کی معزولی سے مسلمانوں کو دکھ و ملال ضرور ہوا، لیکن حضرت عمرؓ کے پیش نظر ایک حکمت تھی اور آپؓ نے بعد میں اس کی وضاحت بھی کی کہ لوگوں کو شاید یہ خیال ہونے لگا تھا کہ مسلمانوں کو فتح خالدؓ کی وجہ سے ہوتی ہے اور ان کا اللہ پر توکل و یقین کمزور پڑ رہا ہے۔ اس لیے انہوں نے یہ قدم اٹھایا، ورنہ انکے دل میں ذاتی طور پر حضرت خالدؓ کے لیے کوئی برائی یا بدگمانی نہیں تھی۔ ان کے مابین جو معاملات ہوتے، اللہ کے دین کے لیے ہوتے نہ کہ ذاتی بغض و عناد کی بناء پر مبنی، اور کبھی کوئی ایسا اختلاف نہ ہوا کہ جس سے کوئی فتنہ یا فساد کا اندیشہ ہوتا۔ دونوں ہی حضرات کرشماتی شخصیت کے مالک تھے اور اپنی اپنی جگہ امت کی مضبوط چٹانیں۔

دمشق فتح ہونے کے بعد اب بازنطینی حکمران ہرقل کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ ملک شام ان کے ہاتھ سے نکلنے والا ہے۔ اب ان کے دل میں مسلمانوں کی ایسی دہشت و ہیبت گھر کر گئی تھی کہ وہ عرب کہ جن کو کچھ عرصے پہلے تک وہ صرف مال و دولت کے لالچ سے خرید کر یا ڈرا دھمکا کر بھگا دیا کرتے تھے، اب حالات یہ تھے کہ ان کی اپنی سلطنت کا سب سے زرخیز صوبہ انہی عربوں کے ہاتھ میں جانے والا تھا۔ لیکن قسطنطنیہ میں رومی بازنطینی سلطنت اب بھی پوری شان و شوکت کیساتھ اپنی جگہ قائم تھی۔ تمام عیسائی دنیا اور بازنطینی سلطنت میں اعلان جنگ کر دیا گیا اور دنیا کے ہر کونے سے عیسائی لشکر شام پہنچنا شروع ہو گئے۔ یہ تاریخ کی پہلی باقاعدہ صلیبی جنگ کی تیاری



تھی۔ اب بیت المقدس خطرے میں تھا کہ جو عیسائی دنیا کے لیے بھی انتہائی متبرک جگہ ہے۔ ان کو یہ معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں نے دمشق پر قبضہ کر لیا، تو جلد ہی بیت المقدس بھی ان کے قبضے میں ہوگا۔ اس طرح ہر قل نے ایک عام جنگ کا اعلان کر دیا اور ایک بہت بڑا لشکر جرار تیار کیا گیا کہ جو تقریباً ڈھائی لاکھ کیل کانٹے سے لیس سپاہ پر مشتمل تھا۔ اس جنگ کو تاریخ جنگ یرموک کے نام سے یاد کرتی ہے۔

بلاشبہ آج کی مرتب شدہ جدید انسانی تاریخ کی بنیاد جنگ یرموک سے ہی پڑتی ہے۔ اگر جنگ یرموک میں بازنطینی ریاست اور صلیبی جنگجو کہ جو پوری دنیا سے اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوئے تھے، کامیاب ہو جاتے تو ان کا اگلا ہدف یقینی طور پر مدینہ کی اسلامی ریاست ہوتی اور یہ بات مسلمان بخوبی جانتے تھے۔ یرموک کی یہ لڑائی اسلامی ریاست کیلئے بھی بقاء کا سوال تھی۔ لہذا جب یرموک میں غیر مسلموں نے اپنے آپکو متحد کرنا شروع کیا، تو مدینہ تک کے مسلمان بے چین ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے تمام مسلمان علاقوں سے مجاہدین طلب کر کے یرموک کی جانب روانہ کیے۔ ان مجاہدین کی قیادت حضرت ابو عبیدہؓ کے کہنے پر حضرت خالدؓ نے سنبھال لی تھی۔

دوسری جانب صلیبیوں کو بھی معلوم تھا کہ اگر جنگ یرموک میں انکو شکست ہوتی ہے تو پھر شام کا پورا صوبہ اور بیت المقدس کا شہر بھی انکے ہاتھ سے نکل جائیگا اور اسکے بعد صرف مصر ہی ان کے پاس باقی بچے گا۔ شام پر وہ اپنا کنٹرول تقریباً کھو چکے تھے۔ جنگ یرموک ہی اب ان کی آخری امید تھی اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے بھی ایک فیصلہ کن جنگ کیلئے اتنا بڑا لشکر تیار کیا۔

دریائے یرموک کے کنارے لڑی جانے والی اس جنگ نے تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا۔ رومیوں کو اپنی تعداد اور عسکری قوت پر اتنا غرور اور گھمنڈ تھا کہ انہوں نے جنگی حکمت عملی کے حوالے سے ایک فاش غلطی کر ڈالی۔ انہوں نے پڑاؤ کیلئے یرموک کے میدان کا انتخاب کیا کہ جس کے تین اطراف میں دریا تھے، جبکہ صرف ایک طرف میدان تھا۔ وہاں مسلمان فوج نے آکر اپنا پڑاؤ ڈال لیا۔ اسکے علاوہ خشکی کا صرف ایک چھوٹا سا راستہ تھا کہ جو رومی فوج کی پشت کی جانب تھا۔

رومیوں کا خیال تھا کہ ڈھائی لاکھ کے لشکر کے ساتھ چالیس ہزار مسلمانوں کا مقابلہ کرنا کوئی مشکل بات نہیں اور ان کی نظر میں شکست اور پسپائی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کی جنگی حکمت اس قدر عمدہ اور جدید تھی کہ اُس وقت کے مروجہ اصول اور قوانین اس جنگی ذہانت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ظاہر اُچالیس ہزار کی فوج ڈھائی لاکھ کے لشکر کو شکست نہیں دے سکتی، اور یہی وہ عددی برتری کا تکبر ہے کہ جو بڑی بڑی فوجوں کو چھوٹی فوجوں سے مقابلے کے وقت ہوتا ہے۔

مسلمانوں نے یرموک کی طرف روانگی سے پہلے ایک حیرت انگیز کام کیا کہ جس کی تاریخ انسانی میں مثال نہیں ملتی۔ چونکہ جنگ یرموک کیلئے تمام علاقوں سے مسلمانوں کو جمع کیا گیا تھا، لہذا مسلمانوں نے اس وقت یہ محسوس کیا کہ اب وہ شاید ان تمام علاقوں کی حفاظت نہ کر سکیں کہ جو وہ اس سے پہلے شام میں فتح کر چکے تھے۔ لہذا انہوں نے حمص کے عیسائیوں کو یہ کہہ کر جزیہ واپس کر دیا کہ ہم آپ کی حفاظت نہیں کر پائیں گے اور معاہدے کے تحت لی گئی رقم واپس لوٹادی گئی۔ آج تک تاریخ انسانیت میں ایسا نہیں ہوا کہ ایک فاتح قوم، مفتوح قوم کے غریب اور مسکین لوگوں کے ساتھ اس قدر غیرت اور عزت کا برتاؤ کرے۔ حمص کے عیسائی مسلمانوں کے اخلاق اور کردار سے اتنے متاثر ہوئے کہ دعا کرنے لگے کہ مسلمان جلد فتح یاب ہو کر واپس لوٹیں۔ یہ واقعہ یقیناً مسلمانوں کے عظیم اخلاقی کردار کی ایک زندہ تصویر ہے۔

یرموک کی جنگ چھ دن تک جاری رہی۔ یہ اس لحاظ سے بھی ایک منفرد جنگ تھی کہ یہ پہلا موقع تھا کہ جب مسلمانوں نے قبائلی بنیادوں پر اپنی صف بندی کی، جو کہ ایک انتہائی غیر معمولی بات تھی۔ حضرت خالدؓ کی اس حکمت عملی کی نفسیاتی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اس گھمسان کی جنگ میں ہر شخص اپنے قریبی عزیز، رشتے دار یا بھائی کے ساتھ کھڑے ہو کر جنگ کرے کہ جس سے ان کے حوصلے میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہر قبیلہ اپنی جگہ بہادری اور شجاعت کے الگ جوہر دکھائے تاکہ اسے دوسرے قبیلوں کے آگے ہزیمت نہ اٹھانی پڑے۔

جنگی حکمت عملی کے ساتھ ساتھ اس نفسیاتی حکمت عملی کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان شدید ذہنی دباؤ کا بھی شکار تھے، کیونکہ ڈھائی لاکھ کا لشکر مد مقابل تھا۔ اگرچہ سپہ سالار اعلیٰ (Army Chief) ابو عبیدہؓ ہی تھے، لیکن وہ جان چکے تھے کہ اس موقع پر فوج کی کمان خالدؓ ہی کر سکتے ہیں۔ یعنی آج کی اصطلاح میں خالدؓ اس لشکر کے تھیٹر کمانڈر (Theatre Commander) تھے۔ حضرت خالدؓ نے چالیس ہزار کی

فوج کو ایک ایک ہزار کے چالیس دستوں (Unit) میں تقسیم کیا اور ہر دستے کا ایک کمانڈر مقرر کیا۔ ہر اول اور محفوظ اضافی دستے الگ الگ کیے۔ میمنہ (Right Flank)، میسرہ (Left Flank) اور قلب (Center) کو از سر نو ترتیب دیا، فوج کے یہ تینوں اہم حصے گھڑ سوار دستوں پر مشتمل تھے۔ اور پھر ایک ایسی جنگ کی تیاری شروع کر دی کہ جو اس سے قبل خود خالدؓ نے بھی نہ لڑی تھی۔

مسلمانوں کی چالیس ہزار فوج میں ایک ہزار کے قریب صحابہ کرامؓ تھے کہ جن میں ایک سو کے لگ بھگ وہ صحابہ بھی تھے کہ جو جنگ بدر میں بھی شرکت کر چکے تھے۔ جزیرہ نما عرب سے باہر کسی اور جنگ میں بدری صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی تعداد اب تک شامل نہیں ہوئی تھی۔ اس جنگ میں عکرمہ بن ابوجہل، کہ جو ابوجہل کے بیٹے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت سے سرفراز کیا تھا، بھی مسلمان فوج میں کمانڈر کی حیثیت سے متعین تھے۔ حضرت ضرارؓ، ابو عبیدہؓ، خالدؓ، قیس بن ہبیرہؓ، سعید بن زیدؓ، معاذ بن جبلؓ، عمرو بن العاصؓ، یزید بن ابی سفیانؓ، شرحبیل بن حسنہؓ، غرض یہ کہ اسلام نے اپنے تمام جگر گوشے اس جنگ کیلئے میدان میں بھیج دیئے تھے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو رومی بدلہ لینے کیلئے مدینہ منورہ کو اگلا ہدف بنائیں گے۔

مسلمانوں کے پاس گھڑ سوار فوج کم تھی، تقریباً بارہ ہزار۔ پیادہ فوج زیادہ تھی۔ مسلمان بھی کامیاب ہو سکتے تھے کہ جب گھڑ سوار فوج کو بہت ہی منظم طریقے سے استعمال کیا جاتا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے یہاں پر ایک نئی حکمت عملی اپنائی۔ اس سے پہلے گھڑ سوار فوج کو اس طرح کسی اور جنگ میں استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت خالدؓ کی حکمت عملی کی بنیاد گھڑ سوار دستوں کی تیز رفتار حرکت، دشمن فوج کے پہلوؤں پر حملہ کرنا، اپنی پیادہ فوج پر بڑھتے ہوئے دباؤ کو روکنا اور دشمن کے قلب کو کمزور کرنا تھا۔

رومیوں اور مسلمانوں کے مابین گھمسان کی جنگ ہوئی۔ تیسرے دن حالت یہ تھی کہ رومیوں کے دباؤ کی وجہ سے مسلمان میسرہ، قلب کی جانب سمٹ گیا۔ اسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آرمینی اور رومی سپاہی بڑی تعداد میں مسلمان لشکر کی پشت میں موجود، مسلمان عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔ یہ بہت نازک موقع تھا، کیونکہ اس موقع پر تھوڑا سا مزید دباؤ مسلمانوں کو شکست سے دوچار کر سکتا تھا۔ شام میں لڑی جانے والی جنگی مہمات میں پہلی مرتبہ مسلمان شکست کے اتنا قریب آئے تھے، لیکن اللہ کے فضل و کرم سے رومی جرنیل اس موقع سے بھرپور فائدہ نہ اٹھا سکے اور دشمن کی گھڑ سوار فوج وقت پر اپنی پیادہ فوج کی کمک نہ کر سکی اور نتیجتاً مسلمانوں نے دشمن کے اس حملے کا دباؤ توڑ دیا۔

اس موقع پر ایک اور غیر معمولی واقعہ ہوا۔ مسلمان عورتوں نے اپنے خیموں سے ڈنڈے نکال لیے اور ان مسلمان فوجیوں کو مارنا شروع کر دیا کہ جو دشمن کے دباؤ کی وجہ سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ یوں انہوں نے مجاہدین کو غیرت دلائی کہ جاؤ اور مردوں کی طرح لڑو۔ اب فیصلہ کن مرحلہ آن پہنچا تھا۔ عکرمہ بن ابوجہل نے زور سے آواز لگائی اور کہا کہ ”کون ہے کہ جو موت پر میرے ساتھ بیعت کرتا ہے؟“ یعنی حالات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ اب جانثاری کا وقت آن پہنچا تھا۔ مسلمان فوج کے ۴۰۰ مجاہدین نے عکرمہؓ کی آواز پر لبیک کہا اور



پھر نہایت سرفروشی اور جانبازی سے میدان جنگ میں کود پڑے۔ تب تاریخ نے دیکھا کہ جنگ کا پانسہ پلٹنا شروع ہو گیا اور مسلمان کہ جو پسپا ہو رہے تھے، دشمن کو واپس پیچھے دھکیلنے لگے۔ اب پہلی مرتبہ جنگ کی بازی مسلمانوں کے حق میں پلٹنے لگی تھی۔

اس موقع پر حضرت خالدؓ نے اپنی فوج کو از سر نو ترتیب دیا اور اپنے گھڑسوار دستوں کا استعمال شروع کیا۔ یوں دشمن کی فوج دباؤ کا شکار ہو گئی۔ دشمن کی گھڑسوار فوج جب مسلمانوں کو روکنے کیلئے آگے بڑھی، تو مسلمان گھڑسواروں نے ان کا راستہ روک کر انہیں پیچھے ہٹانا شروع کیا۔ جب دشمن کے گھڑسوار دستے پیچھے ہٹنے لگے، تو مسلمانوں کی پیادہ فوج آگے بڑھنے لگی اور مسلمان گھڑسوار دستوں نے دشمن کی پیادہ فوج پر شدید حملے شروع کر دیئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے ان حربوں نے دشمن کو ششدر کر کے رکھ دیا۔ ان کی صفیں ایک ایک کر کے اکھڑنا شروع ہو گئیں۔ اس سے ایک دن قبل کچھ اور واقعات بھی ہو چکے تھے۔ مسلمان جنگی شوریٰ میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ دشمن کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے غسانی ڈویژن کو سبق سکھانے کا فیصلہ کیا تا کہ مسلمان فوج پر دباؤ کم کیا جاسکے۔ غسانی ڈویژن ساٹھ ہزار عرب عیسائیوں پر مشتمل تھا کہ جو رومیوں کا ساتھ دے رہے تھے اور ان کو الگ تعینات کیا گیا تھا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے ۳۰ مجاہدین کو ساتھ لیا اور مقابلہ کرنے چل دیئے۔ جنگی شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ ساٹھ ہزار کے مقابلے میں ۳۰ مجاہدین کم ہیں، آپؐ ۶۰ مجاہدین لے جائیں! ۶۰ مجاہدین ساٹھ ہزار عیسائیوں کو قتل تو نہ کر سکے، مگر انہوں نے کفار کو نفسیاتی دباؤ کا شکار



کر دیا کہ جس نے آئندہ دنوں میں فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

جنگ کے پانچویں دن رومی فوج تھک کر چور ہو چکی تھی اور ان کے جرنیل ہمت ہار چکے تھے۔ اس کا اندازہ مسلمانوں کو اس بات سے ہوا کہ دشمن کے جرنیل نے حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم جنگ کو چند دنوں کیلئے روکنا چاہتے ہیں تاکہ امن معاہدے کی شرائط طے کی جاسکیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے دشمن کی اس کمزوری کو بھانپ لیا اور صلح کے مشورے کو فوراً رد کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اب اس قضیے کو ختم کرنے میں جلدی کرنی چاہیے، لہذا اب وقت ضائع نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ اب فیصلہ کن جنگ کا وقت آن پہنچا ہے۔ آپؓ نے اپنے تمام گھڑسوار دستوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ آٹھ ہزار مسلمان گھڑسوار ایک صف میں آگئے۔ آپؓ نے پانچ ہزار گھڑسوار رومیوں کی پشت کی جانب روانہ کر دیئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو یہ یقین ہو چلا تھا کہ وہ اگلے دن اس جنگ کو پایہء تکمیل تک پہنچا دیں گے اور رومی یقینی طور پر فرار کا راستہ اختیار کریں گے۔ ان کے تین اطراف میں دریا تھا، اور پشت پر صرف ایک طرف خشکی کا راستہ تھا کہ جہاں پر اب حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضرت ضرارؓ کو پانچ ہزار گھڑسواروں کے ساتھ تعینات کر دیا تھا، تاکہ دشمن کے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیئے جائیں۔

جنگ کے شروع ہونے سے قبل ہی اس تعیناتی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ کے اندازے کس قدر صحیح اور مکمل تھے۔ پھر وہی ہوا کہ جس کی توقع تھی۔ چھٹے دن جب ”اللہ کی تلوار“ چلنا شروع ہوئی تو رومی اس کے حملے کو سہہ نہ پائے۔ پہلی مرتبہ ساری رات



لڑائی جاری رہی۔ آنے والے طویل عرصے تک مسلمانوں میں اس خوفناک رات کے قصے عام رہے۔ ہزاروں کی تعداد میں دشمن کے سپاہی قتل ہوئے۔ حتیٰ کہ انکا سپہ سالار بھی اس جنگ میں مارا گیا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور تمام مسلمانوں نے بے دریغ دشمنوں کا قتل عام کیا اور رومی فوج کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ اب عام پسائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ جنہوں نے بھی فرار ہونے کی کوشش کی ان کیلئے حضرت ضرارؓ اپنے پانچ ہزار گھڑسواروں کے ساتھ موجود تھے۔ انہوں نے بھی فرار ہونے والے سپاہیوں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جیت کی مبارکباد دیتے ہوئے اس فتح کو ”فتح الفتوح“ یعنی فتوحات کی فتح کہا۔ یقیناً یہ سچ تھا کیونکہ جب سے مسلمانوں نے اپنی سرحدوں سے باہر جنگی مہمات شروع کی تھیں، تب سے لیکر اب تک، مسلمانوں نے اتنی خونریز جنگ پہلے کبھی نہ لڑی تھی۔ اگر عکرمہ بن ابوجہل کی پکار پر چار سو مجاہدین موت پر بیعت نہ کرتے تو شاید مسلمانوں کو اتنی فیصلہ کن فتح حاصل نہ ہوتی۔ حضرت عکرمہؓ اور ان کے بیٹے شدید زخمی تھے اور بعد میں ان زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ بھی شہید ہو گئے۔

فتح کی خوشخبری جب مدینہ پہنچی تو سب مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اب شام کا کوئی قلعہ مسلمانوں کیلئے رکاوٹ نہیں تھا۔ باز فطنی حکمران ہرقل نے جب اپنی شکست کا احوال سنا تو اپنے اہل و عیال اور ساز و سامان کے ہمراہ قسطنطنیہ فرار ہو گیا اور جاتے جاتے شام کی زمین سے مخاطب ہو کر کہا: ”اے شام! تجھے جدائی پانے والے کا سلام، تجھے الوداع کہنے والے کا سلام کیونکہ دکھائی نہیں دیتا کہ وہ کبھی لوٹ کر تیری طرف آئے گا۔ کوئی رومی کبھی تیری طرف نہیں لوٹے گا، مگر ڈرتے ہوئے۔ اے شام! تجھ پر سلام۔ کتنا اچھا ہے یہ ملک جو دشمن کے ہاتھ لگا ہے!“

اب آخری قلعہ بیت المقدس تھا کہ جسے مسلمانوں کو فتح کرنا تھا۔ تمام مسلمان دستے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی قیادت میں بیت المقدس پہنچے۔ مسلمانوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، مگر وہاں کے لوگوں نے جان لیا تھا کہ اب جنگ محال ہے، لہذا انہوں نے امن کی شرائط طے کرنا شروع کر دیں۔ انہوں نے یہ شرط عائد کی کہ حضرت عمرؓ خود مدینہ سے آکر بیت المقدس کا قبضہ اپنے ہاتھ میں لیں۔ مسلمانوں نے یہ شرائط تسلیم کر لیں۔

حضرت عمرؓ ایک غلام اور اپنے اونٹ کو ساتھ لے کر مدینہ سے بیت المقدس کی جانب روانہ ہوئے۔ اسی موقع پر وہ مشہور واقعہ پیش آیا کہ آدھے راستے حضرت عمرؓ خود اونٹ پر سواری کرتے اور آدھے راستے ان کا غلام اونٹ پر سوار ہوتا اور وہ پیدل چلتے۔ جب آپؓ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو حالت یہ تھی کہ آپؓ کی پیدل چلنے کی باری تھی اور آپؓ کا غلام اونٹ پر سوار تھا۔ اس شان سے مسلمانوں کے خلیفہ اور سپہ سالار اعظم، شام اور عراق کے فاتح، بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ عیسائیوں کی کتابوں میں بھی یہ درج تھا کہ جو شخص بیت المقدس فتح کرے گا، وہ اسی شان سے شہر میں داخل ہوگا کہ وہ پیدل اور اس کا غلام اونٹ پر سوار ہوگا۔ پھر انتہائی امن و امان سے پورا شہر حضرت عمرؓ کے حوالے کر دیا گیا۔



حضرت عمرؓ ایک گرجے میں داخل ہوئے تو نماز کا وقت ہو گیا۔ پادری نے آپؓ سے کہا کہ آپ ادھر ہی نماز ادا کر لیں۔ آپؓ نے انکار فرماتے ہوئے کہا کہ آج اگر میں نے یہاں نماز ادا کر لی تو مسلمان اس گرجا گھر کو مسجد میں تبدیل کر دیں گے۔ پھر حضرت عمرؓ نے گرجا گھر سے باہر آ کر نماز ادا کی اور وہ جگہ کہ جہاں آپؓ نے نماز پڑھی، وہاں بعد میں مسجد کی بنیاد رکھی گئی کہ جو آج بھی مسجد عمر کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ کئی سو سال بعد کہ جب عیسائیوں نے صلیبی جنگوں کے دوران مسلمانوں سے بیت المقدس دوبارہ چھینا تو مسجد عمر ہی وہ مقام تھا کہ جہاں مسلمانوں کا اتنا قتل عام کیا گیا کہ مسلمانوں کا خون عیسائیوں کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک جا پہنچا۔

اسکے برعکس جب حضرت عمرؓ نے بیت المقدس فتح کیا تھا تو ہر شخص کو امان دے دی گئی تھی۔ جن مقامی لوگوں نے قسطنطنیہ جانے کی خواہش ظاہر کی، ان کے لیے سمندر تک تمام راستوں پر پہرے بٹھادیئے گئے تاکہ کوئی بھی ان کا مال و اسباب نہ لوٹ سکے اور نہ ہی ان کی عزت پر ہاتھ ڈال سکے۔ جو امن کی شرائط کے تحت جانا چاہتے تھے، ان تمام لوگوں کو شان سے رخصت کر دیا گیا۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد صرف حمص کا شہر ہی باقی بچا تھا، جو بہت جلد ہی مسلمانوں نے دوبارہ فتح کر لیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ نے حمص کو ہی اپنا مرکز بنایا۔

حضرت عمرؓ بیت المقدس کی فتح کے بعد واپس مدینہ تشریف لے آئے۔ لیکن کچھ ہی عرصے بعد ایک اور فتنہ کھڑا ہو گیا۔ رومیوں نے دو



لاکھ کے لشکر کے ساتھ مصر کی طرف سے شام پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ ان کا ہدف حمص کا شہر تھا کہ جہاں حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ مسلمانوں میں گھبراہٹ اور پریشانی پیدا ہو گئی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے جنگی شوریٰ طلب کی اور وہاں یہ فیصلہ کیا گیا کہ پوری سلطنت سے مدد طلب کی جائے۔ خلیفہ کو بھی خط لکھے گئے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ قلعہ بند ہو کر لڑا جائے گا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے سامنے جب یہ فیصلہ رکھا گیا تو وہ جلال میں آ گئے۔ آپؓ نے قسم کھائی کہ ہم کبھی بھی قلعہ بند ہو کر لڑائی نہیں کریں گے اور حضرت ابو عبیدہؓ سے اجازت مانگی کہ ہم میدان میں جا کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم اس سے پہلے بھی بڑے بڑے لشکروں کو شکست دے چکے ہیں، یہ تو معمولی بات ہے۔ تمام شہسواروں نے ان کی اس بات سے اتفاق کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے ان کو کھلے میدان میں جانے کی اجازت دے دی، لہذا مسلمانوں نے حمص سے باہر نکل کر اپنی صفیں ترتیب دینا شروع کیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کو ”مقدمۃ الجیش“ یعنی ہراول دستے کے ساتھ آگے بھیجا گیا تاکہ آگے جا کر دشمن کی نقل و حرکت کا پتا لگائیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ اپنے چھوٹے سے ہراول دستے کے ساتھ صرف صورتحال کا جائزہ لینے گئے تھے، مگر پھر اس طرح دشمن پر ٹوٹ پڑے کہ دو لاکھ کے لشکر کو مٹا کر رکھ دیا۔ جب حضرت ابو عبیدہؓ دشمن سے مقابلے کے لیے صفیں ہی ترتیب دے رہے تھے تو حضرت خالد بن ولیدؓ نے انہیں واپس آ کر اطلاع دی کہ دشمن کا صفایا کیا جا چکا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ اللہ کے حضور سجدے میں گر گئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ ”سیف اللہ“ نے ایک بار پھر دین کی آبرو بچالی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس کے بعد حمص میں ہی قیام فرمایا مگر نائب کمانڈر کی حیثیت سے ان کا عہدہ ابھی بھی برقرار تھا۔ آپؓ چونکہ اعلیٰ ظرف تھے، یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی مدد کرنے والے تھے، لہذا آپؓ مال غنیمت میں سے اپنا حصہ بھی تقسیم کر دیا کرتے، لیکن کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے آپؓ کی شکایت کر دی کہ حضرت خالدؓ مال خرچ کرنے میں اسراف کرتے ہیں۔

اس سے پہلے بھی جب حضرت خالد بن ولیدؓ کی شکایتیں حضرت عمرؓ تک پہنچی تھیں تو آپؓ نے ان کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیا تھا۔ اس معزولی کی وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ حضرت خالد بن ولیدؓ پر بہت زیادہ یقین کرنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سوچ کر ان کو سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیا کہ کہیں اللہ پر بھروسے اور توکل میں کمی نہ آجائے۔ اس مرتبہ بھی شکایت کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو جنگی خدمات ادا کرنے سے منع فرمایا اور مدینہ طلب کیا، تاکہ ان سے اس معاملے پر باز پرس کی جاسکے۔ اس سے مسلمانوں میں کافی اختلاف پیدا ہو گیا، لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ نے ہر موقع پر خلیفہ کے حکم کی اطاعت کی۔ آپؓ نے اپنی باقی زندگی حمص میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ ۲۱ ہجری میں آپؓ نے حمص میں ہی انتقال فرمایا۔ آپؓ کے انتقال کی خبر جب مدینہ منورہ پہنچی تو ہر گھر میں کہرام مچ گیا۔ حضرت عمرؓ خود بھی بہت رنجیدہ ہوئے اور اہل مدینہ کو بھی سوگ منانے کی اجازت دی۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کے تر کے میں صرف ہتھیار، تلواریں، خنجر اور نیزے ہی تھے۔ ان ہتھیاروں کے علاوہ ایک غلام تھا کہ جو ہمیشہ آپؓ



اوپر: حضرت جعفر بن طیار کی تلوار، نیچے: حضرت خالد بن ولید کی تلوار (توپ کا پی میوزیم، ترکی)

کے ساتھ رہا کرتا۔ اللہ کی یہ تلوار کہ جس نے دو عظیم سلطنتوں (رومی اور ایرانی) کے چراغ بجھائے، وفات کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ آپؑ نے جو کچھ بھی کمایا، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ ساری زندگی میدان جنگ میں گزار دی۔ حضرت خالدؓ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سارے بیٹوں اور بیٹیوں سے نوازا تھا، مگر آپؑ کی اولاد کا بڑا حصہ آپؑ کے انتقال کے بعد شام میں طاعون کی بیماری کے باعث شہید ہو گیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بھی اسی طاعون کی بیماری سے شام میں شہید ہوئے تھے۔

حضرت خالدؓ کی جنگی فتوحات کے بارے میں صحابہؓ نے گواہی دی کہ ان کی موجودگی میں ہم نے شام اور عراق میں کوئی بھی دو جمعے ایک شہر میں نہیں پڑھے اور اگلا جمعہ نئے فتح کیے ہوئے شہر میں ادا کرتے، یعنی ہر دو جمعوں کے درمیانی دنوں میں ایک شہر ضرور فتح ہوتا تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے حضور ﷺ سے حضرت خالدؓ کے روحانی تعلق کی گواہی بھی دی۔ حضرت ابو طلحہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کی وفات کے بعد صحابہؓ کو واقعہ سنایا کہ آپؑ کو ایک بار چالیس مجاہدین کے ساتھ رومیوں کے علاقے میں بھیجا گیا۔ وہ سب رومیوں کے بہت بڑے لشکر کے زرعے میں آگئے۔ صورتحال بہت کشیدہ ہو گئی۔ اس موقع پر حضور ﷺ حضرت ابو عبیدہؓ کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ فلاں جگہ خالد بن ولیدؓ پریشانی میں ہیں، جاؤ ان کی مدد کرو۔ حضرت ابو عبیدہؓ اپنے لشکر کے ہمراہ وہاں گئے اور ان کی مدد کی۔ یہ حضور ﷺ کے ساتھ آپؑ کے روحانی تعلق کی صرف ایک مثال ہے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے حضور ﷺ کے بال مبارک کہ جو آپؑ نے حج کے موقع پر سنبھال لیے تھے، کو اپنی ٹوپی میں پرو رکھا تھا۔ یوں حضور ﷺ کا لمس ہمیشہ آپؑ کے ہمراہ رہا۔ وہی لمس ان کی اصل طاقت تھی کہ جس کا وہ خود بھی اعتراف کرتے تھے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی زندگی پر نظر دوڑائی جائے اور اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ وہ کون سے عوامل تھے کہ جن کی وجہ سے قبیلہ قریش کا



ایک جنگجو، عالم اسلام کا ایک عظیم سپہ سالار، کمانڈر اور عسکری حکمت ساز بنا، تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی جنگی حکمت عملی بہت غیر معمولی تھی۔ انہوں نے جو جنگی طریقہ اختیار کیا وہ اس زمانے کے لحاظ سے کئی سو سال آگے کا تھا۔ ان کی جنگی حکمت عملی اس وقت کے اعلیٰ ترین اذہان بھی نہیں سمجھ پاتے تھے۔ ان کی ذاتی دلیری، جرأت، شجاعت، بہادری، خطرات میں کود پڑنے کی عادت، جنون اور عشق کی حد تک یہ شوق کہ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں، وہ تمام عوامل تھے کہ جنہوں نے آپؐ کو ”سیف اللہ“ بنادیا۔ بعض کتابوں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ آپؐ صاحب کشف و کرامت مجاہد تھے۔ اس سے بڑی کرامت اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہوں نے ۶۰ مجاہدین کے ساتھ ۶۰ ہزار کے لشکر پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ کون سے ایسے راز تھے کہ جو ان لوگوں کو معلوم تھے اور آج کے تاریخ دان ان سے ناواقف ہیں؟ وہ کونسی ایسی قوتیں تھیں کہ جو ان کے ساتھ کام کرتیں، مگر آنکھوں سے نظر نہیں آتی تھیں! اگر ایسی قوتوں کا کوئی وجود نہ ہو تو بظاہر ۶۰ ہزار کے لشکر کے مقابلے میں ۶۰ مجاہدین لے کر جانے کا فیصلہ مجذوبیت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ کو معلوم تھا کہ ان کی پشت پر کونسی روحانی قوتیں کارفرما ہیں۔

اسکے بعد کی اسلامی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو وہ تمام غازی کہ جن کے تاریخ میں نام سنہرے حروف سے لکھے گئے اور جنہوں نے سلطنتوں کو فتح کیا، وہ صرف ظاہری اسباب پر بھروسہ نہیں کرتے تھے، بلکہ کچھ غیر معمولی روحانی قوتیں بھی ان کا ساتھ دیتی تھیں۔ یہی عنصر جنگ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ وہ پہلے مجاہد تھے کہ جنہوں نے عالم اسلام کی سرحدیں جزیرہ عرب سے باہر پھیلانے میں اہم ترین کردار ادا کیا۔ آپؐ کے بعد آنے والے سینکڑوں غازی آپؐ کے نقش قدم پر چلے۔ یوں عالم اسلام کی سرحدیں وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئیں۔ ان تمام لوگوں کے ساتھ جنگی حکمت عملی، دلیری، بہادری اور شجاعت جیسی خصوصیات وابستہ تھیں۔ ایک اور قدر مشترک ”روحانی قوت“ تھی کہ جو ان کو مزید پراسرار بناتی تھی۔

عالم اسلام میں آج بھی اگر کوئی وجود تہذیبی لانا چاہتا ہے تو جب تک کہ اس کے وجود میں وہ پراسرار عنصر شامل نہیں ہوگا کہ جس کا علامہ اقبالؒ نے ذکر کیا ہے وہ یہ کام سرانجام نہیں دے سکے گا۔

یہ غازی، یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

جب لا کھوں چہرے مایوسی میں جھکے ہوتے،
توان میں ایک تمہارا ہی چہرہ چمکتا دمکتا ہوتا۔
یہادر.... تم شیر سے زیادہ بہادر تھے۔
سخی.... تم چٹانوں کے بیچ ٹھاٹھیں مارتے دریا کی مانند سخی تھے۔
(والدہ خالد بن ولید)

PDFBOOKSFREE.PK





”کیا ہی بہترین غلام ہے اللہ کا، خالد بن ولیدؓ۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار
کہ جو کفار کے خلاف ہمہ وقت بے نیام رہتی ہے۔“
(سیدی رسول اللہ ﷺ)

”عورتیں اب قیامت تک خالد بن ولیدؓ جیسا فرزند نہیں جنیں گی۔“
(سیدنا ابو بکر صدیقؓ)

”وہ جنگی امور کا گروہ ہے، اور موت کو دوست کی طرح عزیز رکھتا ہے۔
اس کی یلغار شیر کی اور صبر بلی کا سا ہے۔“
(حضرت عمرو بن العاصؓ)

جب لاکھوں چہرے مایوسی میں جھکے ہوتے،
تو ان میں ایک تمہارا ہی چہرہ چمکتا دکھتا ہوتا۔
بہادر..... تم شیر سے زیادہ بہادر تھے۔
تخی..... تم چٹانوں کے نیچے ٹھائیں مرتے دریا کی مانند تخی تھے۔
(والدہ خالد بن ولیدؓ)



سید زید زمان حامد



BrassTacks
Advanced Threat Analysis
Defence and Security Advisors
House # 683-A, Street # 4
Chaklala Scheme 3, Rawalpindi, Pakistan.
Land line: +92-51-5598046 -7
Website: www.zaidhamid.pk
E-mail: syedzaidzamanhamid@gmail.com

www.pdfbooksfree.pk